درس حدیث

محمد اظہر مدنی

صلہ رحمی کی فضیلت

عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من سره أن يبسط الله في رزقه وأن ينسأ له في اثره فليصل رحمه . (صحيح بخاری وشرح ٥٢٨٥ كتاب الطلب باب من يبسط به في الرزق لصلة الرحم باب رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا رزق میں کشادگی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے پسند ہے کہ اس کی روزی میں کشادگی ہو اور اس کی عمر لمبی کردی جائے تو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔

تشریح: قرآن وحدیث میں متعدد جگہوں پر صلہ رحمی کا ذکر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کرنے والوں کے لیے خوشخبری دی ہے۔ ''صلہ'' یہ ایک ایسا لفظ ہے جو اخلاق کریمانہ کی تمام شکلوں کو شامل ہے۔ اور لفظ ''رحم'' کا اطلاق رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔ اس طرح مذکورہ عنوان کا مفہوم ہوا کہ اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا، ان کے کام آنا، خندہ پیشانی اور خاکساری سے پیش آنا اور ان کی غلطیوں کو درگذر کرنا وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صلہ رحمی کا بہت بڑا درجہ اور مقام ہے اور صلہ رحمی کو برتنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتہ ناطہ توڑنے سے بھی بچو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔ (سورہ نساء:۱)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا (الاسراء:۲۶) اور رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو۔ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَاب اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں اور وہ حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ (سورہ الرعد ۲۱) رشتے ناطے کو مضبوط کرتے ہیں جوڑتے ہیں توڑتے نہیں ہیں من جملہ تمام رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ضروری ہے اور ان رشتہ داروں میں سب سے زیادہ جو صلہ رحمی کا مستحق ہے وہ والدین ہیں اللہ تعالیٰ جہاں اپنے حق کا ذکر کیا ہے وہیں والدین کے حقوق کا بھی ذکر فرمایا ہے چنانچہ والدین کو ہمیشہ مقدم کرنا چاہیے بالعموم صلہ رحمی کی بیشمار فضیلتیں ہیں صلہ رحمی کرنے والا شخص کبھی اللہ کی رحمت سے محروم نہیں ہوتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی اور جب اس سے فارغ ہوئے تو رحم نے عرض کیا کہ یہ اس شخص کی جگہ ہے جو قطع رحمی سے میری پناہ مانگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میں اس سے جوڑوں گا جو تم سے اپنے آپ کو جوڑے اور اس سے توڑ دوں گا جو تم سے اپنے آپ کو توڑ دے **اما ترضين ان اصل من وصلك واقطع من قطعك** تو رحم نے کہا اے رب کیوں نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس یہ تجھ کو دیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر جی چاہے تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کردو اور رشتے ناطے توڑ ڈالو۔ (سورہ محمد ۲۲) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے قطع رحم کرنے والے کو سخت وعید سنائی ہے بخاری شریف کی روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرماتے ہیں: **لا يدخل الجنة قاطع** قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیارے نبی سے ہمیشہ ایسے اعمال کے بارے میں سوال کرتے تھے جس پر عمل پیرا ہو کر جنت میں داخل ہو جائے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے ایسا عمل بتائیے جسے میں کر کے جنت میں داخل ہو جاؤں اس پر لوگوں نے کہا کہ اسے کیا ہو گیا ہے کیا ہو گیا ہے تو رسول اللہ نے فرمایا کہ اسے اس کی ضرورت ہے پوچھنے دو اس کے بعد رسول اکرم نے انہیں بتایا کہ **تعبد الله ولا تشرك به شيئا وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة وتصل الرحم** اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو نماز قائم کرتے رہو زکاۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو یہی وہ اعمال ہیں جو تمہیں جنت میں لے جائیں گے۔

مذکورہ تمام احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رزق میں کشادگی عمر میں درازی ایک دوسرے پر شفقت ورحمت اور اخوت ومحبت ایک دوسرے سے معانقہ، سلام، نرم بات حلم وبردباری اور مال خرچ کرنا وغیرہ صلہ رحمی سے حاصل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تمام اعمال بہت محبوب ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے کے گناہ کو معاف کردیا جاتا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ رشتہ داروں پر صلہ رحمی کرنے سے دوگنا اجر ملتا ہے حضرت سلمان بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: **الصدقة على المسكين صدقة وعلى ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة** مسکین پر صدقہ کرنا صدقہ ہے اور رشتہ داروں پر مال خرچ کرنا صدقہ ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ یعنی دوگنا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو صلہ رحمی کی اہمیت وفضیلت اور اس کے فوائد کو سمجھنے کی توفیق ارزانی بخشے اور اس پر قائم ودائم رہنے کی خصوصی عنایت بخشے اور ہمارا حشر ونشر ان لوگوں کے ساتھ فرمائے جو صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ **وصلى الله على نبينا محمد**

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہٰ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث ۲
اداریہ ۳
شکر گزار بندے بنیں! (۲) ۵
مصائب اور امراض سے بچاؤ شریعت کی روشنی میں ۸
مشکلات سے نجات کی کنجیاں ۱۲
امت مسلمہ ماضی وحال کے آئینے میں ۱۴
دین اسلام کی چالیس منفرد خصوصیات ۱۷
صدقہ وخیرات کی فضیلت ۱۸
انسانی زندگی پر صحبت اور ماحول کے اثرات ۱۹
نظم ۲۲
سرسید اوران کا عہد ۲۳
ڈاکٹر عبدالعلی ازہریؒ - ایک تعارف (چوتھی قسط) ۲۵
جماعتی خبریں ۲۹
گاؤں محلّہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجئے ۳۱
اشتہار اہل حدیث منزل ۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک
سالانہ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ۷/روپے
پاکستان ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۱۱۰۰۰۶
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

خود احتسابی

آج کی صحبت میں دو باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنے اور حتی الامکان انہیں قلب وجگر میں جاگزیں اور پیوست کرکے عملی جامہ پہنانے کی ضرورت پر زور دینا مقصود ہے۔ ایک ہے اصلاح نفس، دلوں کی صفائی اور تزکیہ ومحاسبہ نفس خود اپنا، دوسروں کا نہیں کہ اس مرحلہ میں یہی رویہ نفس کو موٹا کر دیتا ہے اور نفس کا محاسبہ کون کہے خود وہ ایک دوسری بڑی معصیت میں ڈال دیتا ہے، جس سے انسان پہلے سے زیادہ گناہوں اور خطاؤں میں ملوث ہوجاتا ہے جن کا اسے شعور واحساس تک نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے آپ سے غافل ہوجاتا ہے۔ اب وہ اپنے نفس کے محاسبہ اور خود احتسابی کا خیال تک نہیں رکھتا۔ یہ حقیقت اتنی عظیم وعجیب ہے کہ انسان دوسروں کے چکر میں اور ان کا پیچھا کرنے میں خود سے اتنا دور ہوجاتا ہے کہ اس کا پلٹ کر آنا مشکل ترین ہوجاتا ہے۔ پھر وہ لوگوں اور غیروں کا محاسبہ کرتے کرتے ایسی ہلاکت ورزالت کا شکار ہونے لگتا ہے کہ جس سے اس کی واپسی مشکل ہوجاتی ہے۔ اب وہ دوسرے کی کوتاہیوں اور خامیوں کے پیچھے اس طرح پڑتا ہے کہ اس کے پوشیدہ عیوب کو بھی پتہ لگانے کے لئے بے چین رہتا ہے۔ جن اسرار اور احوال سے اسے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے ان کو جاننے کے لئے سرگرداں رہتا ہے اور تجسس، ٹوہ، بدگمانی اور سوء ظن اور اس کے ساتھ بے شمار دینی ودنیوی تقاضوں اور کاموں کے خلاف ایک غلط روش پر پڑ جاتا ہے۔ بدظنی بڑی خرابی ہے کہ اگر اللہ جل شانہ توفیق وہدایت خاصہ سے نہ نوازیں تو اس کی تلافی نہیں ہو پاتی ہے۔ **اللھم نعوذبک من الحور بعدالکور**

دراصل دوسروں کے محاسبہ اور اصلاح کی فکر اور دوسروں کو بے راہ روی اور غلطی سے روکنے کا موضوع اس وقت ہے ہی نہیں۔ یہاں اپنی بات ہورہی ہے، اپنے نفس کی بات ہورہی ہے۔ دوسروں کا محاسبہ بعض حالات واوقات میں جب انسان منجانب اللہ اس کا مکلّف ہوتا ہے تو اس کے بھی بڑے شروط قیود ہیں۔ اور یہ معاملہ محض خیر خواہی، بہی خواہی، اخلاص، محبت، احساس ذمہ داری اور بفحوائے حدیث نبوی ﷺ کہ جو اپنے لئے پسند کرو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرو، جیسے مومنانہ اور دوستانہ ماحول میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ ان تمام اخلاص اور جذبہ ہمدردی کے باوجود یہ کچھ خاص آداب وسلوک، حدود وقیود، موقع ومحل اور وقت وضرورت کے مرہون منت ہوتا ہے۔ ورنہ ہر اخلاص اور جذبہ اصلاح وخیر خواہی فساد عظیم میں بدل جائے گا۔ گویا اس ایک بات میں تین باتیں

ہوگئیں۔ اول محاسبہ خود کا، دوسرے دوسروں کی ہمدردی میں ترشید وتوجیہ اور توبہ واستغفار کی تلقین اور تیسرے ان تمام اخلاص اور جذبہ اصلاح وفلاح کے ساتھ ان تمام باتوں کا خیال رکھنا جو ایسے ہمدردانہ ومخلصانہ اعمال کے انجام دینے کے لیے ضروری ہیں مثلاً جذبۂ نصح وخیر سے سرشار ہوکر آدمی دوسرے شخص کو اکیلے اور تنہائی میں پوری ہمدردی، اپنائیت اور للّٰہیت کے ساتھ نصیحت کرے انتہائی مناسب بلکہ بہترین الفاظ میں بولنے سے زیادہ رس گھولنے کا ملکہ اس کے اندر ہو۔ مواد اور انداز ایسا نہ ہو کہ برسرعام ہر چھوٹے بڑے کے سامنے نصیحت کا پٹارا کھول کر بیٹھ جائیں۔ یا وہ انتہائی رنج وتکلیف اور الجھنوں کا شکار ہو، انتہائی غفلت اور لاپرواہی میں پراگندہ دلی، اضطراب وقلق اور بے چینی کا شکار ہو اور بھینس کے آگے بین بجائے وہ بیٹھے پگھورائے کا مقولہ اس پر صادق آتا ہو اور آپ اس کو نصیحت کریں اور خیرخواہی جتانے بیٹھ جائیں تو یہ ہمدردی اور نصیحت بھی بسا اوقات فضیحت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

دراصل محاسبۂ نفس تمام طرح کے رذائل اور گناہوں سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ انسان کو حسد، کینہ، شقاوت، عبادات میں کوتاہی، آخرت سے غفلت، دنیا کی ہوس وطلب اور ہر طرح کے حرص وآز سے باز رکھتا ہے اور سعادت وفلاح دارین سے اسے ہمکنار کرتا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہو یا بہی خواہی اور نصح وخیرخواہی ہو، یا دوسروں کی بھلائی کا جذبہ ہو یا جو اپنے لئے پسند کرو وہ دوسروں کے لئے پسند کرو جیسی مومنانہ سوچ وفکر ہو، اس سب کا مرحلہ بعد میں آتا ہے۔ اس لیے یہ اس وقت ہمارا موضوع سخن نہیں ہے۔ بلکہ اس سب سے مقدم انسان کی دنیا وآخرت میں اپنی کامیابی اور سرخروئی اور ذمہ داری نبھانے کے لئے اپنا جائزہ لیتے رہنے کی بات ہے۔ انسان اپنے سے زیادہ کس کو جانتا ہے؟ ومن آنم کہ من دانم" "من **عرف نفسه فقد عرف ربه**". اس لئے کہ انسان کا ایمان کتنا تگڑا ہے، وہ خود جانتا ہے۔ چونکہ خوداحتسابی دنیوی واخروی سعادت وکامرانی کی شاہ کلید ہے اس لیے قرآن کریم نے اس جانب بطور خاص توجہ دلائی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحشر:۱۸)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل قیامت کے واسطے ان اعمال کا کیا ذخیرہ بھیجا ہے۔ اور ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔"

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اپنا حال یہ ہوتا تھا کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس سے نکل کر جب اہل وعیال اور کاروبار حیات میں ہوتے تو ان کے ایمان کی وہ کیفیت اور کثرت وزیادتی نہیں ہوتی تھی جو آپ ﷺ کی مجلس میں اور صحبت کی حالت میں ہوتی تھی۔ ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام خلوت وجلوت میں اللہ جل شانہ سے ڈرنے والے، اللہ ورسول ﷺ کی فرماں برداری کرنے والے، شریعت کا ہر لمحہ پاس ولحاظ اور اسے عزیز از جان رکھنے والے حضرات تھے، مگر محاسبۂ نفس کا عالم آپ نے دیکھا کہ عمل میں ذرا کوتاہی نہیں ہوئی اور دلوں کی دنیا قدرے بدلی بھی نہیں، صرف اس کی کیفیت میں فرق آگیا تو اپنے آپ کو منافقین کے مشابہ ہونے کے خوف میں مبتلا ہوگئے اور اس دلی کیفیت کی تبدیلی اور اتار چڑھاؤ اور کمی بیشی سے ڈر گئے اور بے چین ہوکر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بارے میں مسئلہ پوچھنے لگے کہ میں منافق تو نہ بن گیا؟ آہ! کیا احساس تھا اور کس طرح کا محاسبۂ نفس تھا۔ وہ ایمان وعقیدہ اور باطنی کیفیت سے لے کر ایک ایک عمل کا جائزہ لیتے اور حساب کرتے تھے۔ سلف بھی ہر ہر لفظ ناپ تول کر بولنے کے خوگر ہوتے تھے۔ وقت کا حساب الگ لیتے تھے، مال کا محاسبہ، جان کا محاسبہ، حقوق اللہ کے سلسلہ میں نفس کا محاسبہ، حقوق العباد کو ادا کرنے پر محاسبہ نفس، قومی، ملی، جماعتی، خاندانی، اسلامی اور انسانی حقوق ومعاملات میں محاسبۂ نفس ان کی زندگی کا عنوان اور ان کی پہچان تھی۔ بلکہ خوداحتسابی اور عمل وکردار کے حساب نے ان کا ایسا صفائے قلب کردیا تھا کہ وہ مجلی ومصفی اور منور ہوگیا تھا اور جو صرف جگ مگ جگمگ ہی کرتا نہیں رہتا تھا بلکہ سنسار کو جگمگاتا رہا اور چہار دانگ عالم میں ہر طرح کے نور کی کرنیں بکھیر دی۔ آج انسانیت کو اسی نور ایمان کی ضرورت ہے۔

اور یہ سب خوداحتسابی اور عمل کا حساب کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ خوداحتسابی میں عمل کا حساب بھی کرنا شامل ہے اور جو شخص اور جو قوم اپنے عمل کا حساب کرتی رہتی ہے وہ صورت خورشید جیتی رہتی ہے اور اس کے مجلی نفس وقلب کی تپش اور کردار وعمل کی گرمی اسے دنیا میں قوت وسطوت عطا کرتی رہتی ہے۔

صورت خورشید ہے دشت قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

یہاں نفس امارہ، نفس مطمئنہ اور نفس لوامہ کا ذکر کردینا شاید خوداحتسابی کرنے والوں کے لئے معاون ثابت ہوگا۔ نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو انسان کو نیکیوں پر ابھارے اور برائیوں سے روکے۔ نفس امارہ بالسوء وہ نفس ہے جو انسان کو برائیوں پر آمادہ کرے اور نفس لوامہ گناہ کے کرنے پر نفس ملامت کرتا ہے کہ تم نے ایسا کام کیونکر انجام دیا اور کبھی اچھے کام کرنے پر ملامت بھی کرتا ہے۔

لہٰذا ہمیں بار بار نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کیا ہم مکمل طور پر تیار ہیں؟ اس ڈر سے کہ کہیں ہم اچانک لقمۂ اجل نہ بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دوسروں کا محاسبہ کرنے سے پہلے خوداحتسابی کی توفیق دے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

☆☆☆

شکر گزار بندے بنیں! (۲)

مولانا خورشید عالم مدنی
پھلواری شریف، پٹنہ

قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں اللہ نے ہمیں شکر نعمت کا کا حکم دیا ہے اور یہ واضح پیغام بھی کہ جو شکر ادا نہیں کرتے وہ اللہ کا عبادت گزار نہیں ہو سکتے ارشادِ باری ہے وَّاشۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ (نحل:114) "اور اگر تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اس کی نعمت کا شکر ادا کرو"۔

وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ (عنکبوت:17) "اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو۔ تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے"۔ اور جو اپنے رب کا شکر گزار نہیں ہوا اس نے اپنے مقصد تخلیق کو ادا نہیں کیا کیونکہ تخلیق انسانی کا مقصد یہی ہے "وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ (نحل:78) "اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے جب نکالا تو تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنایا، تاکہ تم شکر ادا کرو"۔

اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ شکر بجا لائیں اور مومن بن جائیں تو ہم انہیں عذاب کیوں دیں گے مَا يَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيۡمًا (نساء:147) "اگر تم شکر ادا کرو گے اور ایمان لاؤ گے تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اور اللہ بڑا قدر کرنے والا اور بڑا علم والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی وصیت میں اپنی اور والدین کی شکر گزاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا "وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ اَنِ اشۡكُرۡ لِىۡ وَلِوَالِدَيۡكَ اِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ (لقمان:14) "اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اسے اپنے پیٹ میں ڈھوتی پھری اور دو سال کے بعد اس نے دودھ پینا چھوڑا۔ ہم نے اسے حکم دیا کہ تو میرا شکر ادا کر، سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے"۔

شکر الٰہی یہ ایسا عمل جلیل ہے جس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے وَاِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَكُمۡ (زمر:7) "اور اگر تم شکر گزار بنو گے تو وہ اسے تمہاری طرف سے پسند کرے گا" اور اپنی نعمتوں میں اضافہ فرماتا ہے لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ (ابراہیم:7) "اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یاد رکھو کہ بیشک میرا عذاب سخت ہوتا ہے"۔

یہ ایسا عظیم عمل ہے جس کی عظمت واہمیت کا احساس ابلیس کو بھی تھا اسی لیے اس نے اللہ کے بندوں کو شکر کی راہ سے الگ کر دینے کا بیڑہ اٹھایا ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ‌ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ (اعراف:17) "پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے، ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہ پائے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے شکر گزار ہونے پر ان کی تعریف کی ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ‌ اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا (اسراء:3) "تم لوگ ان کی اولاد سے ہو جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا، وہ بیشک ایک شکر گزار بندے تھے"۔

حضرت ابراہیم کی شکران نعمت کی تعریف کی اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ‌ اِجۡتَبٰٮهُ وَهَدٰٮهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ (نحل:121-120) "بیشک ابراہیم راہبر اور اللہ کے فرماں بردار تھے، سب سے کٹ کر اللہ کے ہو گئے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ اللہ نے انہیں چن لیا تھا اور راہ راست پر ڈال دیا تھا"۔

سورہ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت، جنّت کی بہت ساری نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور اپنی ہر نعمت یا دو نعمت کے ذکر کے بعد یہ فرمایا "فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (رحمان:13) "تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے" جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانو! اپنے رب کی گوناگوں نعمتوں کا اقرار کرتے رہو اور اس رب سے جڑے رہو برکت ہوگی، وہ عزت و بزرگی والا ہے۔ اس کے حقوق کو ادا کرو عزت و بزرگی ملے گی اور سورت کے اختتام پر فرمایا تَبٰرَكَ اسۡمُ رَبِّكَ ذِى الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ (رحمان:78) "بہت ہی بابرکت ہے آپ کے اس رب کا نام جو جلال اور عزت والا صاحب جلال واکرام ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی ناشکری کرتا ہے تو اس سے اللہ کا کیا بگڑے گا، وہ تو جاہ وجلال کا مالک ہے، عزت وتکریم اس کی بلندی شان ہے، اس کا بگڑے گا جو نمک حرامی کر رہے ہیں اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔

اسی طرح "سورہ عادیات" میں رب العالمین نے میدان جہاد میں دوڑنے والے گھوڑے کی صفات و کیفیات کو بیان فرمایا ہے "وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا فَالۡمُغِيۡرٰتِ صُبۡحًا فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا (عادیات:5-1) یعنی "ہانپتے ہوئے، دوڑنے والے، اپنی ٹاپوں سے چنگاریاں اڑانے والے، صبح کے وقت دھاوا بولنے والے، گرد وغبار اُڑا کر دوڑنے والے، دشمن کی فوج میں گھس جانے

والے گھوڑوں کی قسم"۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (عادیات:6)"بیشک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے"

رب العالمین نے گھوڑے کی مثال دے کر قسم و جواب قسم کے ذریعے یہ پیغام دیا ہے کہ یہ گھوڑے اپنے مالک کی جتنی وفاداری اور شکر گزاری کرتے ہیں، اتنی یہ انسان بھی نہیں کرتا، یہ تو حیوان سے بھی بدتر ہے۔ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، اس کے چارے، گھانس دانے کو پیدا نہیں کیا ہے لیکن اس کی احسان شناسی و فرض شناسی دیکھو کہ وہ انسان کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے، اس کے برخلاف یہ انسان جسے اللہ نے نطفہ حقیر سے پیدا کیا، قوت بخشی، عقل و شعور دیا، اس کی ضرورت وراحت کا خیال کیا، اس کے باوجود وہ اپنے رب کا شکر گزار نہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اس حیوان سے سبق سیکھے، اپنے آقا کے ساتھ وفاداری سیکھے اور اپنے ذہن و دماغ میں اس حقیقت کو اتار لے کہ جس طرح ایک بے وفا اور ناشکرے گھوڑے کی اس کے مالک کے پاس قدر و قیمت نہیں ہوتی اسی طرح ایک ناشکرا، بے وفا بندہ کی بھی اللہ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی، اور جس طرح وفا شعار، شکر شناس گھوڑے آقا کی نگاہ میں محبوب ہوتے ہیں اسی طرح انسان بھی اپنے مالک حقیقی کا وفادار بن جائے، اس کے حکموں پر قربان ہو جائے تو پھر اس کی خوش بختی و عظمت کا کیا کہنا! وہ رب کا دلارا بن جائے اور آنکھ کا تارا بھی۔

شکر سے اعلیٰ و بالا کوئی وصف نہیں اور اس کی ضد کفر ہے جس سے مبغوض کوئی لفظ نہیں۔

ناشکری کے سبب اللہ کی نعمتیں چھن جاتی ہیں اور وہ عذاب ثابت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کو اپنی نعمتوں سے نوازا اور جب انہوں نے نعمتوں کے ذریعے منعم حقیقی کو نہیں پہچانا، کفران نعمت کیا تو وہ چھین لی گئیں۔ اسی ناشکری کے سبب قوم سبا کی پامالی و بربادی ہوئی۔ قرآن کریم نے جس کا نقشہ کھینچا ہے "لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ (سبا:17-15)"یقیناً سبا والوں کے لیے ان کے مقام رہائش میں نشانی تھی، یعنی دائیں اور بائیں دو باغ تھے۔ (ہم نے ان سے کہا کہ) تم اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، پاکیزہ شہر ہے اور گناہوں کو معاف کرنے والا رب ہے۔ لیکن انہوں نے (اپنے رب کے حکم سے) منہ موڑ لیا تو ہم نے ان پر ایک سخت اُمڈتا ہوا سیلاب بھیج دیا، اور ان کے دونوں باغوں کو بدمزہ پھل، جھاؤ اور کچھ بیری والے دو باغوں میں بدل دیا۔ ہم نے انہیں یہ بدلہ ان کے کفر کی وجہ سے دیا تھا اور ہم صرف ناشکروں کو ہی ایسا بدلہ دیتے ہیں"۔

اسی جرم میں اللہ تعالیٰ نے بستی والے سے امن و رزق کی نعمت چھین لی اور انہیں شدید خوف اور فاقہ کشی میں مبتلا کر دیا"وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً یَّاْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (نحل:112)"اور اللہ ایک بستی کی مثال پیش کرتا ہے جو پر امن اور پر سکون تھی، اس کی روزی کشادگی کے ساتھ ہر جگہ سے آتی تھی، پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں شدید بھوک اور خوف و ہراس کا مزہ چکھایا" اور اسی بیماری نے بڑے مالدار قارون کو زمین میں دھنسا دیا اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْهِمْ وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا یُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ (قصص:81-76)"بیشک قارون قوم موسیٰ کا ایک فرد تھا پھر وہ ان کے خلاف سرکشی کر بیٹھا اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے تھے کہ طاقتور لوگوں کی ایک جماعت اس کی کنجیاں بمشکل اٹھاتی تھی۔ جب اس سے اس کی قوم نے کہا کہ اتراؤ نہیں، بیشک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اور اللہ نے تمہیں جو دولت دی ہے اس کے ذریعے آخرت کا گھر حاصل کرو اور دنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھولو۔ جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی احسان کرو اور زمین میں فساد نہ چاہو۔ بیشک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اس نے کہا: یہ مال و جائداد مجھے اپنے علم وصلاحیت کے ذریعے ملی ہے۔ کیا اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا جو اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال و جائداد والی تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ پس وہ ایک دن اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے تزک و احتشام کے ساتھ نکلا تو جو لوگ دنیاوی زندگی کے خواہاں تھے، انہوں نے کہا: اے کاش! ہمارے پاس ویسی ہی جائداد ہوتی جیسی قارون کو دی گئی ہے۔ بیشک وہ بڑی قسمت والا ہے۔ اور جو لوگ علم والے تھے انہوں نے کہا: تمہارے حال پر افسوس ہے، اللہ کا ثواب زیادہ بہتر ہے اس شخص کے لیے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے اور یہ چیز صرف صبر کرنے والے کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ پس ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا

اور اس کی کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ آپ اپنی مدد کرسکا"۔

اللہ کی نعمت کو ناشکری میں تبدیل کرنے والے اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے عذاب وہلاکت کا سامان مہیا کرتے ہیں اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَهُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ جَهَنَّمَ يَصۡلَوۡنَهَا وَبِئۡسَ الۡقَرَارُ (ابراہیم: 28-29) " کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے بدلے میں ناشکری کی اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر تک پہنچا دیا، یعنی جہنّم تک جس میں لوگ داخل ہوں گے اور وہ بڑا برا ٹھکانہ ہوگا"۔

قیامت کے دن اللہ نعمتوں کی شکرگزاری سے متعلق سوال کرے گا ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ (تکاثر:8)" پھر تم اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے جو سوال ہوگا وہ نعمتوں سے متعلق ہوگا، اس سے کہا جائے گا ألم نصح لک جسمک و نرویک من الماء البارد " کیا میں نے تمہیں تندرست جسم نہیں بخشا تھا اور تمہیں ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا"(ترمذی:3358)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کے انعامات کا کس قدر احساس تھا اور شکرگزاری کی کتنی فکر تھی کہ انہوں نے اللہ کی بندگی میں اپنی رات کی میٹھی نیند کو قربان کر دیا، آنکھوں سے بہنے والے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے ہیں، پائے مُبارک متورم ہو کر پھٹ رہے ہیں پھر بھی اللہ کے عبدشاکر بننے پر فرحاں و نازاں ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے "قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ: غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک و ما تأخر؟ قال: أفلا أکون عبدا شکورا" (بخاری:4836)" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام باللیل سے پائے مُبارک سوج جاتے تھے، جب آپ سے کہا گیا کہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں تو فرمایا کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں"۔

اور اماں عائشہ بیان فرماتی ہیں جب عطاء اور عبید بن عمیر دونوں تابعی ان کے پاس گئے اور عرض کیا "حدثینا بأعجب شیء رأیتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " "نبی محترم کی زندگی کا سب سے تعجب خیز واقعہ جو آپ کی نظروں میں گزرا ہے اسے بیان کیجئے" یہ سن کر آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے پھر ایک شب کی کہانی سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب بیدار ہوئے اور مجھ سے کہا: عائشہ مجھے چھوڑ دو میں اپنے رب کی عبادت کرنا چاہتا ہوں پھر آپ نے وضو کیا، نماز شروع کی اور تشہد میں اتنا روئے کہ آنسو سے آپ کا دامن تر ہوگیا، سجدہ میں اتنی گریہ زاری کی کہ زمین تر ہوگئی، اذان فجر کے لیے بلال پہنچ گئے اور جب آپ کی حالت زار کو دیکھا تو کہا: اللہ کے رسول آپ رو رہے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کے تمام گناہ معاف کردیے ہیں فرمایا: افلا أکون عبدا شکورا " کیا میں عبدشاکر نہ بنوں"(صحیح ریاض الصالحین، ص:69)

اللہ تعالیٰ کے بعد والدین کے شکرگزار بنیں، یہ ہمارے وجود کا سبب ہیں اور ان کی ناشکری عقوق یعنی ان کی نافرمانی ہے، جسے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ انسانوں میں اگر آپ کا کوئی محسن ہے تو اس کا شکرگزار بنیں۔ فرمان نبوی پیش نظر رہے "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (ترمذی:1955)" جو لوگوں کا شکرگزار نہیں ہوسکتا وہ اللہ کا بھی شکرگزار نہیں ہوسکتا"۔

زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ اپنے محسنوں کا احترام کرتے تھے جیسا کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (اسلام لانے سے پہلے) صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کرکے کہا" والذی نفسی بیدہ لولا ید کانت لک عندی لم أجزک بھا لأجبتک "دیکھو اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی کہ تم نے مجھ پر ایک احسان کیا تھا اور اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا ہے تو میں یقیناً تمہاری اس بات کا جواب دیتا"۔(صحیح ابن حبان:4872)

شکران نعمت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کریں، اس کی حفاظت کریں، اسراف سے بچیں، اسے ضائع نہ کریں مثلاً دسترخوان پر جو کھانے بچ جائیں اسے محلے میں غریب ومسکین کے درمیان تقسیم کرادیں۔ یہ ناشکری ہے کہ ہم انہیں کوڑے دان میں ڈال دیں۔ یہ سنگین جرم ہے کہ اللہ کی روزی کو برباد کردیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا سقطت لقمۃ أحدکم فلیأخذھا فلیمط ما کان بھا من أذی ثم لیأکلھا و لا یدعھا للشیطان "(مسلم:2033)" جب تمہارا لقمہ گر جائے تو اسے اٹھالو اور اسے صاف کر کے کھا جاؤ، اسے شیطان کے لیے مت چھوڑو "اور خود اس نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھیں" آپ کی نظر راستے میں گری ایک کھجور پر پڑی، آپ نے اسے اپنے دست مُبارک سے اٹھایا اور فرمایا "لو لا أنی أخاف أن تکون من الصدقۃ لأکلتھا" (بخاری:2431)" اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ مال زکوٰۃ سے ہے تو میں اسے کھالیتا"۔

اندازہ کریں کہ ہمارے نبی نے ایک کھجور کو اٹھالیا، اسے برباد ہونے کے لیے نہیں چھوڑا اور اسے آپ نے کھانا بھی نہیں چاہا لیکن صرف اس ڈر سے رک گئے کہ کہیں وہ صدقہ کا نہ ہو۔

اور آج لوگ شادی بیاہ ودیگر تقریبات کے موقع پر کس بیدردی کے ساتھ کھانا ضائع کرتے ہیں۔ کاش وہ ہوش کے ناخن لیتے اور کفران نعمت سے اپنا دامن بچاتے تاکہ سلب نعمت وزوال نعمت سے محفوظ رہیں اور ایسی مصیبت میں گرفتار نہ ہوں جس سے وہ نعمت الٰہی سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ یاد رکھیں شکران نعمت سے شکرگزار ہی کو فائدہ ہوتا ہے وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ (لقمان:12)" اور جو شکرگزار ہوتا ہے تو اس کا فائدہ اسے ہی پہنچتا ہے"۔ وباللہ التوفیق

☆☆☆

مصائب اور امراض سے بچاؤ شریعت کی روشنی میں

مولانا عزیز احمد مدنی

دنیا میں انسان کی زندگی مختلف عوارض وفتن، مشکلات اور الجھنوں سے محیط ہے۔ بلکہ پوری حیات ابتلاء وآزمائش سے عبارت ہے۔ ان میں سے بعض عوارض کا تعلق اجسام وابدان سے ہے، جبکہ اموال واولاد بھی مشکلات وفتن کا ذریعہ وسبب ہیں۔ اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ (الانفال:۲۸) اسی طرح سماجی خرابیاں اور معاشرہ کی بے اعتدالی اور بے راہ روی بھی مشکلات ومصائب کا پیش خیمہ ہیں۔ روئے زمین پر پیش آنے والے حوادث، مصائب وآلام اور آفات بنی آدم کے کرتوت کا نتیجہ ہیں جو بمقتضاء ومشیت الٰہی رونما اور وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ کتاب الٰہی ناطق ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (الروم:۴۱) نیز فرمایا: وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ (الشوری:۳۰)

ترجمہ: شرک وکفر اور گناہ کی وجہ سے خشکی اور تری میں خرابی پھیل گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کچھ کاموں کی سزا ان کو دنیا ہی میں چکھادے تاکہ وہ ان برے کاموں سے باز آئیں۔ لوگو! تم پر جو مصیبت آتی ہے تو تمہارے ہاتھوں نے جو کیا اس کی سزا میں اور بہت سے قصور معاف کردیتا ہے۔

مصائب اور اس کے اشکال: مصیبت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان کو اذیت پہنچے خواہ وہ کتنی معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض، آگ لگنے، پانی میں ڈوبنے کے واقعات کی کثرت اور ہر چیز میں برکت کا ختم ہوجانا، نفع بخش چیزوں میں نفع کم نقصان زیادہ ہونا وغیرہ آفات ہیں۔

آفات ارضی وسماوی، بری اور بحری کے مفہوم میں توسع دیا جائے تو جملہ آفات ومصائب اس میں شامل ہیں جنگ وجدال، قتل وخونریزی، غارت گری، خوف ودہشت، شکست وریخت، بے قراری بدامنی، تنگ حالی ومفلسی، پھلوں اور فصلوں کی تباہی وبربادی، قحط سالی، فقر وفاقہ وبھکمری، نقص امن وسکون، فسادات، کثرت اموات، زلزلوں اور سیلاب کی کثرت، ضلالت وگمراہی، الحاد وبے دینی، کفر وشرک، شدت امراض اور وبائی امراض وغیرہ سب آفات ومصائب میں شامل وداخل ہیں۔ یہ سب اہل ایمان کے لئے آزمائش کی کسوٹی اور عبرت کا سامان ہیں۔

ایسے حالات اور مواقع پر کفر وشرک، عصیان وطغیان، معاصی ومنکرات اور فسق وفجور سے تائب ہوکر اور باز رہ کر اللہ کی جانب انابت کرنا اس کی توحید وطاعت کی راہ اختیار کرنا، اپنے احوال کی درستگی واصلاح کرکے استقامت کی راہ اپنانا مصائب وآلام پر صبر وضبط کا مظاہرہ کرنا مقصود الٰہی اور مطلوب انسان ہے۔

مصائب سے مؤاخذہ مقصود نہیں: اعمال بد اور گناہوں کی وجہ سے جو مصیبت وآفت دنیا میں بھیج دی جاتی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت اور اس کی عنایت ہے۔ اس کے ظہور سے اللہ تعالیٰ اپنی شان قدرت کا ایک نمونہ بلکہ اس کی ادنی سی جھلک دکھاتا ہے اور بندوں پر اپنی شان کریمی اور عفو ودرگذر کی نوازشات کا اظہار فرماتا ہے۔ تاکہ غافل انسان کو تنبیہ ہوجائے، وہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے باز آجائے اور اپنی اصلاح کرلے۔ اس مصیبت سے انسان کے کرتوت کا مؤاخذہ مقصود نہیں بلکہ اصلاح وعبرت کے ذریعہ نعمتوں سے محظوظ کرانا اور نقمتوں سے محفوظ کرنا ہے۔ جیسا کہ ''لعلهم یرجعون'' کے جملہ سے واضح ہوتا ہے۔ مؤاخذہ کی ساعت وگھڑی یوم آخرت متعین ہے۔ دنیا میں رب العالمین بندوں کے اعمال کا مؤاخذہ کرنے لگے تو روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے۔ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (فاطر:۴۵)

خیر وشر اور راحت وآفت سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن آفت ومصیبت کا سبب خود انسان کے اعمال بد ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما اصابک من سیئة فمن نفسک یہاں سیئہ سے مراد بھی مصیبت ہے۔ اب اگر انسان کافر ومشرک ہے تو اس کے لئے دنیا میں جو مصیبت پیش آتی ہے وہ اس کے لئے عذاب کا ایک معمولی سا نمونہ ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اور اگر وہ مومن ہے تو اس کے لئے یہ مصائب وآلام اس کے گناہوں کا کفارہ ہوکر اخروی نجات کا سبب ہوجاتی ہیں۔ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے۔ والذی نفسی بیده لا یصیب المؤمن هم ولا حزن ولا نصب حتی الشوکة یشاکها الا کفر الله عنه بها من خطایاه (مسلم حدیث ۲۵۷۲، ۲۵۷۳، من حدیث ابی هریرة وابی سعید الخدری رضی الله عنهما) یعنی مومن کو جو رنج وغم، تکلیف اور تھکان پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے حتی کہ کانٹا جو اس کے پاؤں میں چبھتا ہے۔

آزمائش اور مومن کا وطیرہ: بنی آدم کو لاحق ہونے والی دنیاوی

آفتیں اور پریشانیاں مختلف انواع وانداز کی ہیں جس پر اسے بصیرت وحکمت اور تدبیر سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز صبر وشکیب کا دامن تھامتے ہوئے اجر وثواب اور رحمت الٰہی کی بشارت کی تلقین کے ساتھ ہدایت یافتگی کی ضمانت دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (البقرہ:۱۵۵–۱۵۷)

اس انعام باری سے ایک مومن ہی صحیح طور پر محظوظ ومستفید ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ابتلاء وآزمائش اور مصائب وآلام کی جوگھڑی اس پر آتی ہے اسے یقین ہوجاتا ہے کہ یہ ساعت اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ازل سے ہی مقرر کررکھا ہے اور پھر اس پر صبر کرتا ہے اور قضاء الٰہی سے اپنی رضا کا اظہار۔ اللہ جل شانہ بھی ایسے نفوس کو اطمینان وتسلی بخشتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ (التغابن:۱۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ومنقول ہے فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ اس کے دل میں یقین راسخ کردیتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ اس کو پہنچنے والی چیز اس سے چوک نہیں سکتی اور جو اس سے چوک گئی وہ اسے پہنچ نہیں سکتی:

مومن کے لئے تسلی: یہ مصائب وآلام خواہ کتنے عظیم اور اندوہناک ہوں لیکن ایک بندہ مومن جب دل سے یقین کرتا ہے کہ فتنہ وآزمائش کی یہ ساعت اللہ کی مشیت اور اس کے حکم سے آتی ہے اور یہ اس کی تباہی وبربادی کے لئے نہیں بلکہ اس کے نکھار، کامیابی، ترقی اور بہتری کے لئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ کا کوئی امر وفعل حکمت ومصلحت سے خالی نہیں۔ نیز یہ آزمائش اس کے لئے پہلے سے مقدر ہے اور یہ ابتلاء وآزمائش اس کے لئے کفارہ سیئات اور محو ذنوب وزلات کا باعث ہیں اللہ تعالیٰ اسے خطاؤں سے صاف وپاک کردیتا ہے اور یہ کہ ایسی آزمائشیں اللہ تعالیٰ کے نیک اور محبوب بندوں پر زیادہ اور شدید ہوا کرتی ہیں۔ تو ایسے خیالات وتصورات اور اعتقاد ویقین سے مومن کو ایک سچی ڈھارس اور تسلی ملتی ہے جس سے غم واندوہ کے پہاڑ ہوا ہوجاتے ہیں اور مصیبتیں خفیف اور سہل تر ہوجاتی ہیں۔ ان خیالات کی ترجمانی وتصدیق احادیث رسول میں ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ ان عظم الجزاء مع عظم البلاء، وان الله اذا أحب قوما ابتلاهم فمن رضی له فله الرضى ومن سخط فله السخط (سنن الترمذی: وسندہ حسن) مصیبت جس قدر عظیم اور بھیانک ہوتی ہے اس کی جزا بھی عظیم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزماتا ہے جو اس کی آزمائش میں کھرا اترتا ہے اسے اپنی رضوان سے نواز دیتا ہے۔ اور جو صبر نہ کرسکا وہ رضوان سے محروم ہوجاتا ہے۔

۲۔ مایزال البلاء بالمؤمن والمؤمنة فی نفسه وولده وماله حتى يلقى الله وما عليه خطيئة ،سنن الترمذی:۲۳۹۹ مومن کے جان ومال اور اس کی اولاد میں آزمائش ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے اور وہ خطاؤں سے پاک ہوتا ہے۔

۳۔ ان أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل (صحیح الجامع :۹۹۴ صحیح) لوگوں میں سب سے شدید ابتلاء وآزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے۔ پھر ان کے مثل لوگوں کی اسی طرح آزمائش ہوتی ہے۔

۴۔ ما من مسلم يصيبه اذى من مرض فما سواه الا حط الله به من سيئاته كما تحط الشجرة ورقها (مسلم: ج ۲۷۵۱)

کسی مسلمان کو مرض یا اس کے سوا کسی اور چیز سے اذیت لاحق ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس سے خطاؤں کو جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت اپنے پتوں کو ساقط کردیتا ہے۔

مصائب وامراض کے اسباب: سابقہ سطور میں گذر چکا کہ روئے زمین پر ظہور پذیر حوادث ومصائب، آفات وآلام بنی آدم کے کرتوت کا نتیجہ ہیں، چنانچہ جب جب اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی حد سے تجاوز اور گناہوں کی کثرت ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا کرشمہ ظاہر فرماتا ہے اور سمندری طوفان، طاعون اور مہلک وبائی امراض کی شکل میں بیماریاں اور مختلف شکل کے عذاب نازل فرمادیتا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (البقرہ:۵۹) کتب احادیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہوجاؤ۔ اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ تم ان چیزوں میں مبتلا ہو۔ ا۔ پہلی یہ کہ جس قوم میں فحاشی اعلانیہ ہونے لگے تو اس میں طاعون اور اس جیسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ تھیں۔

۲۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ قحط، مصائب اور حکمرانوں کے ظلم وستم میں مبتلا کردی جاتی ہے۔

۳۔ جب کوئی قوم اپنے اموال کی زکاۃ نہیں دیتی تو بارش روک دی جاتی ہے اور اگر چوپائے نہ ہوں تو ان پر بارش کبھی بھی نہ ہو۔

۴۔ جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ غیروں کو ان پر مسلط کردیتا ہے جو اس قوم سے عداوت رکھتے ہیں پھر وہ ان کے اموال چھین لیتے ہیں۔

۵۔ جب مسلمان حکمراں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے بلکہ اللہ کے

نازل کردہ نظام میں اپنی مرضی کے احکام اختیار کرلیتے ہیں اور باقی چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو خانہ جنگی اور باہمی اختلافات میں مبتلا کردیتا ہے۔(سنن ابن ماجہ ج۴۰۱۹ حسن)

مذکورہ بالا حدیث میں بڑے ہی اطمینان اور تمہل سے غور کریں تو یہ واضح ہوگا کہ حدیث میں جن اعمال کی نشاندہی کی گئی ہے آج ہمارے معاشرہ میں،قوم وملک میں، بلکہ پورے عالم میں یہ جملہ خرابیاں صد فیصد پائی جارہی ہیں۔ بلکہ یہ گناہ علانیہ طور پر انجام دیے جارہے ہیں تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت اور پکڑ بھی مختلف صورتوں میں آنے لگی ہے۔

حالیہ وقت کے ماہ وسال میں دنیا کئی مہلک بیماریوں کی زد میں ہے۔ان میں سے اکثر جان لیوا ثابت ہورہے ہیں۔یکایک ایک خطرناک وائرس ''کرونا'' نامی ماہ دسمبر ۲۰۱۹ء میں اس دنیا کے سامنے آیا اور دیکھتے دیکھتے پورے عالم پر چھا گیا۔اس وائرس نے دنیا کو متحیر ششدر اور دہشت زدہ کررکھا ہے۔ ماضی میں ایسی خطرناک بیماریاں الگ الگ خطوں اور ممالک میں ہوا کرتی تھیں اور اس طرح کی مہلک بیماریوں کا شکار اکثر پسماندہ ممالک کے عوام ہوا کرتے تھے۔لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس بار اس وائرس کا شکار اولین مرحلہ میں ترقی یافتہ ممالک ہوئے اور زیادہ متاثر ہوئے۔اس وباء نے پوری دنیا کو اپنی چپیٹ میں لے لیا، پورا عالم ساکت وساکن ہوگیا، دنیا کے ہر گوشے اور تقریبا ہر ملک میں لاشوں کے انبار لگ گئے اور ہر جگہ صف ماتم بچھ گیا، حیرت واستعجاب کی بات یہ ہے کہ ماہرین ومحققین آج تک اس وائرس کے اسباب وعلل سے قطعی طور پر واقف نہ ہوسکے اور نہ ہی اس کے تشفی بخش علاج ومعالجہ کی تہہ تک پہنچ سکے۔

ہمارا ملک ہندوستان بھی اس وائرس کی زد میں آیا۔ہمارا یہ ملک ان ترقی یافتہ ممالک میں سے نہیں ہے جہاں حفظان صحت اس کی نگہداشت اور علاج ومعالجہ کے جدید وسائل وآلات وافر مقدار میں موجود ہوں۔ بلکہ یہاں کی دوتہائی آبادی غربت وافلاس کی زندگی گذار رہی ہے اور ملکی معیشت تیزی سے روبہ زوال ہے۔اس ملک کے عوام متعدد امراض جیسے خسرہ، چیچک، ملیریا، انفلونزہ، ڈفتریا، دماغی بخار، ٹی بی، کالرا وہیضہ، ڈینگو، چکن گنیا جیسی خطرناک متعدد بیماریوں سے نبردآزما ہوچکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔ان میں سے بعض کی خطرناکی اور ہولناکی اور اس کے مہلکات کے اثرات اور اعداد وشمار پیش نظر ہیں لیکن حالیہ وبائی بیماری کرونا کی خطرناکی۔الامان والحفیظ۔رونگٹے کھڑی کردیتی ہے۔ ہمارا ملک بھی اس وائرس کی زبردست چپیٹ میں آیا اور آج تک اس کی ہولناکی اور بربادی سے جوجھ رہا ہے۔اس کی اولین آمد اور پہلے مرحلے میں میڈیا نے انتہائی خوفناک اور ڈراونی تشہیر کی۔اور بے رحم سیاست نے اس کی آڑ میں طرح طرح کی سیاست کی جس سے عوام الناس پر خوف وہراس اور دہشت کی ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ سیکڑوں لوگ بے موت اپنی جان گنوا بیٹھے۔اس ملک میں کورونا کی پہلی لہر کے مقابل دوسری لہر زیادہ شدید اور خطرناک ثابت ہوئی۔لاشوں کے انبار لگ گئے،قبرستان اور شمسان گھاٹ تنگ پڑ گئے ندیوں میں لاشیں بہنے لگیں۔ کتنے خاندان اجڑ گئے، کتنے بچے لاوارث اور یتیم ہوگئے اور زندہ لوگ بھی سراسیمگی کی حالت میں زندگی گذارتے رہے۔ بروقت تیسری لہر سروں پر منڈلا رہی ہے۔رب دوجہاں کا شکر ہے کہ اس بار وہ ہولناکی نہیں ہے خالق کائنات اپنے فضل وکرم سے ایسی مہلک وبا کا جلد خاتمہ فرمائے اور ہم گنہگاروں کو اپنی امان میں رکھے اور محفوظ بنائے آمین۔

مصائب وامراض سے بچاؤاور نجات کا حل: ایسے حالات میں مصائب وآلام اور وبائی امراض سے نجات کا واحد ذریعہ اور اس کا حل اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف رجوع کرنا اس سے توبہ واستغفار کرنا، اپنے گناہوں سے ندامت کے ساتھ تضرع وگریہ زاری کرنا، کلام اللہ سے رشتہ مضبوط کرنا، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنا، طاعت الہی میں مصروف ہونا، مساجد کو آباد کرنا، صدقہ وخیرات کثرت سے کرنا اور بحیثیت مسلمان ان وباؤں سے بچنے کے لئے ظاہری اسباب کے ساتھ حقیقی سبب کی طرف متوجہ ہونا۔ چہ جائیکہ ہم طاعات سے روگردانی اور عبادات سے مزید کوتاہی کرنے لگ جائیں۔ایسے پرآشوب حالات میں خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہونے اور مساجد کو آباد کرنے کی مزید ضرورت ہے۔ اس طرح کے مواقع پر اسلاف کرام کا طریقہ کچھ اسی طرح کا ہوا کرتا رہا ہے۔

قاضی عبدالرحمٰن دمشقی اپنے زمانہ ۷۶۴ھ کے طاعون سے متعلق رقمطراز ہیں:

وكان هذا كالطاعون الأول عم البلاد وأفنى العباد، وكان الناس به على خير عظيم، من احياء الليل وصوم النهار والصدقة والتوبة وكثرة الاستغفار فهجرنا البيوت و لزمنا المساجد رجالنا واطفالنا ونساء نا، فكان الناس به على خير یعنی جب طاعون پھیل گیا اور لوگوں کو ختم کرنے لگا تو لوگوں نے تہجد، روزے، صدقہ، توبہ واستغفار کی کثرت شروع کردی، ہم مردوں، بچوں اور عورتوں نے گھروں کو چھوڑ دیا اور مسجدوں کو لازم پکڑ لیا تو اس سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔(منقول از فتاوی بنوریہ۔وبائی امراض میں مسلمانوں کی رہنمائی)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ میں نقل فرماتے ہیں کہ جب شام عراق اور حجاز کے علاقوں میں طاعون کی وباء پھیلی جس میں لوگ سخت بخار میں مبتلا ہوئے اور بے شمار چوپائے حتی کہ جنگلی جانور بھی ہلاک ہوگئے، دودھ اور گوشت کی شدید قلت ہوگئی، اس وباء کے ساتھ تیز گرم ہوائیں اور طوفان بھی آیا بے شمار درخت جڑ اکھڑ گئے اور لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے قیامت آ گئی ہے۔اس وبائی بیماری کا مقابلہ کرنے کے لئے اس وقت کے عباسی خلیفہ المقتدر بامر اللہ نے حکم جاری کیا کہ

سب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف انابت کریں ایک دوسرے کو نیکی کا حکم کریں گناہ سے روکیں، اور پھر میوزک اور لہو ولعب کے تمام آلات توڑ دیئے گئے، شراب کی بوتلیں پھینک دی گئیں، ریاست میں موجود تمام بدکاروں کو جلاوطن کر دیا گیا، پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد بیماری از خود ختم ہوگئی (البدایہ والنہایہ ۱۳/۱۱۶)

وبائی امراض کی شدت، آفت ومصیبت کے ایسے پریشان کن وہولناک مواقع اور اوقات میں خوف وہراس پھیلانے سے گریز کرنا چاہیے بلکہ ایک دوسرے کو حوصلہ اور ہمت دینا چاہیے۔ بے جا توہم پرستی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ محض لحوق مرض کے خوف سے مساجد اور عبادات ترک نہیں کرنا چاہیے۔ اطباء وحکماء کے تجربات ان کی خدمات اور مشوروں کی روشنی میں جملہ احتیاطی تدابیر اور جائز اسباب، دوا وعلاج اختیار کر کے اللہ جل شانہ پر توکل کرنا چاہیے کیونکہ وہی مسبب الاسباب منجی امراض اور دافع بلیات ہے۔

دوا وعلاج شرعا مطلوب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: عباد الله، تداووا فان الله لم يضع داء الا وضع له شفاء او قال دواء (سنن الترمذی ض ۲۰۳۸) اللہ کے بندو دوا وعلاج کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری وضع کی ہے اس کی شفاء یا دوا بھی وضع کی ہے۔ یعنی بیماری اور اس سے شفایابی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت مقدر ہے۔ البتہ ناجائز وحرام اور خبیث (زہریلی ومسموم) ادویہ سے علاج درست نہیں۔ کیونکہ حرام اشیاء دوا وعلاج نہیں بلکہ بذات خود وہ ''داء'' بیماری ہیں۔ حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الدواء الخبيث قال ابوعيسى يعنى السم (سنن الترمذی ج ۲۰۴۵) وفى رواية قال عن الخمر انها ليست بدواء ولكنها داء (سنن الترمذی ج ۲۰۴۶)

کتب احادیث کے مطالعہ اور اوراق کے تصفح سے یہ بات عیاں اور واضح ہوجاتی ہے کہ محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی تالیفات میں کتاب الطب اور ابواب المرضیٰ جیسے عناوین قائم کئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ومنقول طب وعلاج کی روایات جمع کی ہیں اور امت کو علاج ومعالجہ کی مشروعیت کا واضح پیغام دیا ہے اور طریقہ علاج کی رہنمائی کی ہے نیز یہ کہ دوا وعلاج منافی توکل نہیں ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس بابت ''الطب النبوی'' نامی ایک مستقل کتاب تالیف فرمائی ہے۔

احتیاطی تدبیر وروحانی علاج: عالمی ادارہ صحت WHO نے اس وبائی بیماری کرونا اور اس سے ملحقات سے بچاؤ کے ضمن میں کچھ ہدایات جاری کی ہیں جس کی تلقین حکومتیں اپنی عوام کو بار بار کرتی رہتی ہیں۔ ہمیں بھی اس کا التزام کرنا چاہیے۔ کیونکہ احتیاط اور صفائی وستھرائی امراض سے بچاؤ کا ایک ذریعہ ہیں۔ اس احتیاطی تدابیر اور علاج ومعالجہ کے ساتھ نبوی تعلیمات کی روشنی میں اوراد ووظائف اور دعاؤں کا التزام بھی ہمیں بہت سی بیماریوں، پریشانیوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت چند اوراد اور دعائیں حسب ذیل ہیں۔

۱- عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مصیبت زدہ کو دیکھے اور یہ دعا پڑھے الحمد لله الذى عافانى بما ابتلاك به وفضلنى على كثير ممن خلق تفضيلا تو وہ زندگی بھر اس وبا سے محفوظ رہے گا۔ (سنن ترمذی ج:۳۴۳۱-۳۴۵۲)

۲- آپ صلی الیہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگنے کی تعلیم مسلمانوں کو دی ہے ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام یہ دعا پڑھنا نہیں چھوڑتے ''اللهم انى اسئلك العفو والعافية فى الدنيا والآخرة واسئلك اللهم العفو والعافية فى دينى ودنياى وأهلى ومالى اللهم استر عوراتى وأمن روعاتى، واحفظنى من بين يدى ومن خلفى وعن يمينى وعن شمالى ومن فوقى واعوذ بعظمتك ان اغتال من تحتى'' (سنن ابى داؤد: ح ۵۰۷۴)

۳- انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا سے تعوذ فرماتے ''اللهم انى اعوذبك من البرص والجنون والجذام وسئى الاسقام ويقول: اللهم انى اعوذ بك من عذاب القبر ومن فتنة المحيا والممات'' صحيح ابن حبان ج ۱۰۱۷ وصحيح مسلم ج ۲۷۰۶

۴- خولہ بنت حکیم فرماتی ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا جس نے کسی مقام پر پڑاؤ ڈالا اور اعوذ بكلمات الله التامات من شر ماخلق پڑھا تو اسے اس مقام پر کوئی چیز ضرر نہ پہنچائے گی۔ (مسلم: ح ۲۷۰۸)

۵- عثمان بن عفانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح وشام تین مرتبہ بسم الله الذى لا يضر مع اسمه شئى فى الارض ولا فى السماء وهو السميع العليم کا وظیفہ پڑھ لیا تو اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی۔ (سنن ترمذی: ح ۳۳۸۸)

۶- ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرب وتکلیف کے مواقع پر یہ دعا فرماتے تھے۔ لااله الا الله العظيم الحليم، لا اله الا الله رب العرش العظيم، لا اله الا الله رب السماوات ورب الارض ورب العرش الكريم (مسلم: ۲۷۳۰)

یہ چند نمونے ہیں۔ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے رب کی بارگاہ میں یہ التجا ہے کہ وہ ہمیں بلاؤں اور مصیبتوں سے مامون ومحفوظ رکھے اور صابر وشاکر اور اپنا مطیع وفرمانبردار بندہ بنائے رکھے۔ آمین

☆☆☆

مشکلات سے نجات کی کنجیاں

مولانا عبدالمنان شکراوی

ہم میں سے کون ہے جومصائب ومشکلات سے دوچار نہ ہوتا ہو؟ کبھی کبھی تو مشکلات کی وجہ سے دنیا تاریک لگنے لگتی ہے۔یہ مشکلات وپریشانیاں بندوں کو آزمانے کے لیے آتی ہیں۔یہ اس لیے بھی آتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنے بندوں کوگناہوں سے پاک وصاف کرتا ہے۔تنگی پرتنگی اوررنج پررنج آتا رہتا ہے لیکن پھرمسلسل خوشحالی اورفراوانی آتی ہے۔اسی کواللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الانشراح:۵۔۶)ترجمہ:’’پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔‘‘

مشکلات وپریشانیوں اوررنج وغم کی کیفیات سے باہر نکلنے کے لیے درج ذیل اقدامات بڑے اہم ہیں:

☆مصیبت کی گھڑی میں اللہ سے لولگائی جائے نہ کہ بندوں سے۔اس ذات سے لولگائی جائے جو سننے والی اوردیکھنے والی ہے،اسے ہم کو ہمارے رنج وغم سے چھٹکارادلانے کی پوری قدرت حاصل ہے، وہ ہماری ضروریات سے پوری طرح واقف ہے۔وہ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فلولا اذجائهم باسنا تضرعوا.** (ان پر جب ہمارا عذاب نازل ہوا توانہوں نے (اس کے دربار میں) گریہ وزاری کیوں نہ کی؟)

☆اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھنا چاہیے اوراپنے تمام امور میں اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔اوراسی پر پورا بھروسہ کہ اس مصیبت وپریشانی کووہی دورکرنے والا ہے۔جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:’’میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں۔‘‘ساتھ ہی مایوسی کو پاس نہ پھٹکنے دیں بلکہ اللہ کی رحمت کا امیدوار رہے۔صبر وضبط سے کام لیا جائے اورچیلنجوں کے سامنے سینہ سپر ہوجائے۔اس خوشخبری کا انتظار کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں اپنے صبر کرنے والے بندوں سے وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:**وبشــــــــر الصابرين.** (اورصبر کرنے والوں کوخوشخبری سنا دیجیے۔) ط

☆دعا کثرت سے کرتے رہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلاً مَّا تَذَكَّرُوْنَ (النمل:۶۲)ترجمہ:’’بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے،کون قبول کرکے سختی کو دورکردیتا ہے؟اورتمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے،کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اورمعبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو۔‘‘ایک اورمقام پرفرمایا:وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرۃ:۱۸۶)ترجمہ:’’جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے،قبول کرتا ہوں۔‘‘

دعا خاص طور پر نیک اعمال کے وسیلے سے مانگی جائے۔تین اشخاص کا قصہ بہت مشہور ہے جوایک غار میں تھے کہ چٹان نے اس غار کے منہ کو بند کردیا تھا اور باہر نکلنے کی کوئی سبیل نہیں بچی تھی۔وہاں ان کی چیخ وپکار سننے والا بھی کوئی نہ تھا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے دعا کی اور پہلے کی دعا سے تھوڑی سی پھردوسرے کی دعا سے تھوڑی اور پھرتیسرے کی دعا سے پوری ہٹ گئی۔اوراس طرح نیک اعمال کے وسیلے سے مانگی گئی دعا کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کواس مصیبت سے نجات دیدی۔ورنہ اس غار کے اندران کی ہلاکت یقینی تھی۔

اسی طرح مصیبت کے وقت کی بعض دعاؤں اوروظائف کا ورد کیا جائے۔جیسے: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ. (تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو پاک ہے بیشک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔) جب حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت آزمائش سے نجات دیدی۔اس کے علاوہ بھی بہت سی دعائیں ہیں جنہیں خاص طور پر قبولیت کے اوقات میں پڑھا جائے۔یوں تو دعا کسی بھی وقت کی جاسکتی ہے لیکن رات کا آخری تہائی حصہ اورسجدے کی حالت جس میں بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے،دعا کی قبولیت کے لیے سب سے زیادہ مناسب اوقات ہیں۔دعا کی ابتدا اللہ کی حمد وتعریف سے کی جائے پھراس کی نعمتوں کا شکرادا کیا جائے،اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے۔پھر جو اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے مانگا جائے۔

☆توبہ واستغفار کا اہتمام کیا جائے۔قرآن کریم میں توبہ واستغفار کے فوائد کا ذکر اس طرح وارد ہوا ہے:فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح:۱۰-۱۲)ترجمہ:’’اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ(اورمعافی مانگو)وہ(یقیناً) بڑا بخشنے والا ہے۔وہ تم پرآسمان کوخوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔اورتمہیں خوب پے درپے مال اوراولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اورتمہارے لیے نہریں نکال دے گا۔‘‘اسی طرح حدیث شریف میں ہے: جوتوبہ واستغفار کولازم پکڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ہرتنگی سے نجات اور ہرغم سے چھٹکارا دے گا اورایسی جگہ سے روزی کا انتظام فرمائے گا جواس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگی۔(ابوداؤد،ابن ماجہ)

☆کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔اللہ کا ذکر،اس کی یاد دل کواطمینان ،سکون اورراحت سے لبریز کردیتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ

الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸) ترجمہ: ''جولوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان سے حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔'' سچا مسلمان ہر وقت اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ ذکر اللہ کے ذریعہ دل، سکون واطمینان سے لبریز ہوجاتے ہیں۔ تناؤ، بے چینی اور خوف ووحشت کی جگہ راحت واطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ذکر اللہ کے علاوہ تلاوت قرآن کریم بھی راحت وسکون کا ایک بہت ہی اہم وکارگر ذریعہ ہے۔ لہٰذا تلاوت قرآن کریم کا ہمیشہ اہتمام کرنا چاہیے اور اسے اپنے شب وروز کے معمول میں شامل کرنا چاہیے۔

☆ ضرورتمندوں کی نصرت و مدد بھی مصائب ومشکلات سے نجات کا بہت ہی اہم ذریعہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مومن کی دنیاوی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے اس کی ایک مصیبت دور فرمادے گا اور جس شخص نے کسی تنگدست کے لیے آسانی پیدا کی، اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمادے گا اور جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیا میں پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بندے کی اس وقت تک مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے۔ (مسلم) سختی اور تنگی کے وقت بندے کو اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ کسی بھی ضرورت مند کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑتا اور بندوں کی ضرورت کے وقت مدد کو بچا کر نہیں رکھتا۔

☆ صرف اللہ پر بھروسہ کیا جائے۔ جو مسلمان اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دنیا وآخرت دونوں میں اچھا بدلہ دے گا۔ اس کے غموں کو دور کردے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے اور لوگوں سے سوال کرنے سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پر جس طرح توکل وبھروسہ کرنے کا حق ہے اسی طرح اگر تم لوگ بھروسہ کرنے لگو گے تو وہ تمہیں ایسے ہی روزی دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔ پرندے صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام میں بھر پیٹ واپس لوٹتے ہیں۔''

☆ ماں باپ کے ساتھ نیکی وحسن سلوک کرنا اور ان سے دعا لینا دنیوی مصیبتوں سے نجات کا اہم ذریعہ ہے بلکہ اس سے تمام رنج وغم دور ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ غار والوں کے مشہور قصے میں ایک شخص کا ذکر ہے جو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا اور اپنے بیوی وبچوں پر اپنے والدین کو ترجیح دیتا تھا۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے تو معاملات بآسانی انجام پاتے ہیں اور دنیوی زندگی میں روزی کے اندر کشادگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے بعد والدین کی خوشنودی کو دوسرا درجہ عطا کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (الاسراء:۲۳) ترجمہ: ''اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا۔''

☆ مظلوم کا حق ادا کرنا، امانتوں کی حفاظت کرنا اور حقوق کی ادائیگی کرنا بھی مصیبتوں سے نجات کے ذرائع ہیں۔ جیسا کہ غار والوں کے قصے میں ایک شخص نے اپنے مزدور کو امانت کی ادائیگی کے وسیلے سے دعا کی تو اس کی دعا قبول ہوگئی۔ بلاشبہ امانتوں اور حقوق کی ادائیگی اور ان کی حفاظت اس پردے کو ہٹا دیتی ہے جو بندے اور دعا کی قبولیت اور مصیبت سے نجات کے درمیان آڑ بن جاتا ہے۔ دنیاوی خواہشات اور اس کے مال ومتاع کی بیجا چاہ جیسی غلاظتوں سے بھی ان اعمال کے ذریعہ نفس کی پاکی وصفائی ہوتی ہے۔ ہمارے اسلاف حقوق کی ادائیگی اور امانتوں کی حفاظت کے لیے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء:۵۸) ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچادو۔''

☆ ظلم سے باز آنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا بھی مصیبتوں سے نجات کا اہم ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ظلم کے ارتکاب سے منع فرمایا ہے۔ مظلوم کی بددعا اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا۔ جو انسان لوگوں پر ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا محاسبہ کرے گا اور دنیا وآخرت میں اس کو سزا بھی دے گا۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے۔ لہٰذا تم آپس میں ظلم وزیادتی نہ کیا کرو۔'' (صحیح مسلم) دوسری حدیث میں ہے: مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔'' ظلم کا راستہ ایسا راستہ ہے جو انسان کو اللہ کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے اور اللہ کی نافرمانی جہنم میں لے جانے والی ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے لازم وضروری ہے کہ ظلم کے ارتکاب سے دور رہے۔ جو بھی عمل انسان کو اللہ کی نافرمانی تک لے جائے وہ ظلم ہے۔ لیکن کتنے ہی ایسے ظلم ہیں جن کا ہم نے ارتکاب کیا ہے اور ہمیں ان کی سزا کی خبر ہی نہیں اور کتنے ہی کمزور دبے کچلے لوگ ہیں جن کے معاملے کو ہم معمولی سمجھے ہوئے ہیں اور ہمیں ان کی پرواہ ہی نہیں حالانکہ بحیثیت انسان ان کی دادرسی ومدد ہماری ذمہ داری ہے۔

دین اسلام جو کہ انسانیت نواز دین ہے اس نے ہمیں ظلم کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور اس کے برے نتائج اور عبرتناک انجام سے باخبر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ظلم تاریکیوں کی شکل اختیار کر جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین لوگوں کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی: افطار کے وقت روزے دار کی دعا، انصاف پرور بادشاہ کی دعا اور مظلوم کی بددعا۔ ☆☆

امت مسلمہ ماضی وحال کے آئینے میں

محمد شمس الحق عبدالحق سلفی، مدرس مدرسہ اسلامیہ عبداللہ پور

اگر آج سوال کیا جائے کہ اس دنیا کے اندر وہ کون سی قوم ہے جو مصیبتوں اور تکلیفوں میں گرفتار، ہر ظلم وزیادتی سہنے پر مجبور، ذلت ونکبت کے دلدل میں پھنسی ہوئی اور اپنے حقوق سے محروم، جن کے آل واولاد ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے جانوروں کی طرح پنجروں میں اور ناکردہ گناہوں کی پاداش میں جیلوں کی تاریک کوٹھریوں میں بند ہیں اور ان کی مائیں ماتم کناں اور بہنیں نوحہ خواں ہیں۔ جن پر اغیار حملہ آور ہیں، جن کے شعائر کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ جنہیں اپنے پیغمبر کے تعلق سے اہانت آمیز باتوں کا سامنا ہے۔ جن کی اتباع کو قدامت پسندی کا طعنہ دیا جارہا ہے، اور اپنے شعائر وکلمہ کو اپنانے والے افراد کو "دہشت گرد" کی گالی دی جارہی ہے، تو یقیناً آپ کا جواب ہوگا کہ یہ قوم "مسلم" قوم ہے۔

صدیوں تک دنیا کی حکومت وسیادت اس کے قبضے میں رہی، کوئی قوم اس پر غلط نگاہ ڈالنے کی تاب نہ رکھتی تھی، اس کے فرزند اسلامی وانسانی جھنڈا لیکر جدھر رخ کرتے بڑھتے ہی چلے جاتے تھے، وہ ہواؤں کا رخ موڑ دیتے تھے اور ہر میدان ان کے ہاتھ میں ہوتا، جن کے سپوتوں اور فرزندوں کے عزم وحوصلے، جواں مردی، بہادری، حکمرانی وانسانیت نوازی کے واقعات پڑھ کر بے ساختہ لبوں سے یہ شعر جاری ہوتا ہے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تونے
وہ کیا گردوں تھا توجس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
(اقبال)

آج جبکہ اغیار قوم مسلم کے خلاف صف آرا ہیں اور انہیں اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے مفلوج وکمزور کرنے کی تدبیریں کررہے ہیں۔ اور مسلمان سیاسی، دینی، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے بحران میں مبتلا اور سنگین صورت حال سے دوچار ہیں۔ ایسی نازک گھڑی میں دشمن تحریکوں اور تنظیموں سے نجات ورستگاری کیسے ہوسکتی ہے اور کس طرح یہ قوم مسلم اپنی عظمت رفتہ اور شوکت گم گشتہ کو واپس لاسکتی ہے۔ کس طرح وہ ماضی کے تابندہ نقوش اور درخشاں تاریخ کے روشن ابواب کا اعادہ کرسکتی ہے؟ کیا ہم تقدیر امم عیش وعشرت اور لہو ولعب کے سامانوں میں، عالیشان محلوں، کوٹھیوں اور زرق برق لباسوں میں اور صلیبی، صیہونی اور مشرکانہ ایوانوں میں تلاش کرتے پھریں۔ مسلمان بھلا کیا سمجھیں کہ غربت وافلاس میں پلنے والوں، پیوند لگے کپڑوں سے اپنا تن ڈھکنے والوں، کھجور، ستو اور جو کی روٹیوں پر گذارہ کرنے والوں اور خانہ بدوشوں کی زندگی گذارنے والوں کے پاس اچانک اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ انہوں نے قیصر وکسریٰ کے ایوانوں کو ہلا ڈالا، نہ صرف عراق وایران، مصر وشام اور یمن وغیرہ کے مالک بن بیٹھے بلکہ ساری کائنات پر اپنی بہادری، جواں مردی، اولوالعزمی، راست بازی اور امانت داری کی دھاک بیٹھادی اور انہیں کیا پتہ کہ کھجور کے پتوں سے بنی اس کچی مسجد نبوی سے جاری ہونے والے فرمانوں سے قیصر وکسری کے ایوانوں میں زلزلے کیوں آجایا کرتے تھے۔ آخر وہ کون سے اسباب وعوامل تھے جن کی بنیاد پر بیت المقدس کے عیسائی حاکم زرق وبرق لباس پہنے اسلامی سپہ سالار کو شہر کی کنجیاں حوالے کرنے سے انکار کرکے سترہ سترہ پیوند لگے کپڑوں میں ملبوس ان کے خلیفہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے کردینے میں راحت وخوشی محسوس کرتے ہیں۔

لیکن مسلمان دور حاضر میں اپنے ماضی سے سبق لینے کی بجائے باہمی خانہ جنگی اور تقسیم در تقسیم کی ڈگر پر قائم رہتا ہے، دوسری طرف یورپ اپنی عظمت رفتہ کی تلاش میں شب وروز علم وتحقیق کے میدانوں میں ترقی کرتا ہے۔ مسلمانوں کے علمی سرمائے میں نقب زنی کرکے ان کے علمی کمالات کو اپنے نام سے منسوب کرتا جاتا ہے اور مسلمان آپسی خلفشار اور اختلاف وانتشار کی نئی تاریخ رقم کرنے میں نہیں تھکتا۔ اب مسلمانوں کے اقتصادی انحطاط کا یہ عالم ہے کہ سیاسی، اقتصادی، تہذیبی اور تعلیمی یہاں تک کہ دینی رہنمائی کا خاکہ یورپ کے ایوانوں میں تیار کیا جاتا ہے۔

آخر اس ذلت ورسوائی، تخلف وپسماندگی اور محکومیت کے اسباب کیا ہیں؟ وہ امت جس نے تاریکی میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو تہذیب وتمدن کا درس دیا، انہیں انسانیت واجتماعیت اور انسانی معاشرت کے اصول وآداب سے مزین کیا، شرک وبت پرستی اور وحشت وبربریت کے ماحول میں سانس لینے والوں کا رشتہ اللہ وحدہ لاشریک لہ سے جوڑا، انہیں بت پرستی اور طاغوتی نظام سے نکال کر اسلام کی راہ پر گامزن کیا، عرب وعجم کو ان کی تخلیق کا مقصد سمجھایا اور پوری دنیائے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے دینی اور دنیاوی پیمانے پر جو کچھ ممکن ہوسکا اس کا انتظام کیا پھر آخر ہم اس مقام پر کیسے پہنچے؟

ان سوالات کے جوابات کے لئے ہمیں اس حقیقت پر غور وفکر اور تدبر کرنا ہوگا کہ تمام مسلمان باہم ایک جسم کے مانند ہیں۔ عربی ہوں یا عجمی، شرقی ہوں یا غربی،

کالے ہوں یا گورے ان کے درمیان کوئی فرق وتمیز نہیں ہے۔ان کے ملکوں کے سرحدی حدود وقیود بھی ان کوالگ نہیں کرسکیں۔ یہ اغیار کے مقابلے میں ایک ہوتے ہیں۔جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **تری المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا أشتكى عضوا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى** ”تم مومنوں کوآپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف وکرم اورنرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤگے کہ جب اس کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے،تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔“(الصحیح البخاری ۶۰۱۱ صحیح مسلم)

لیکن مقام افسوس ہے کہ ملکی سرحدوں نے ان کومختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔ زبان ورنگ اوروطن ومقام کے اختلاف نے ان کوایک دوسرے سے جدا کردیا ہے۔ لیکن درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن ومقام اورزبان ورنگ کی تفریق کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کوالٰہی نشانی ضرور تسلیم کرتا ہے وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِكُمۡ وَ اَلۡوَانِكُمۡ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡعٰلِمِيۡنَ (سورہ روم:۲۲) ”اس (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اورزمین کی پیدائش اورتمہاری زبان اور رنگوں کا اختلاف (بھی) ہے۔دانش مندوں کے لئے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں۔“

اصلی راستہ ومسلک وہی ہے جومسلمانوں کواس کے خالق وپرمددگار سے متصل کرتا ہے،پس وہ ایک ہےاس کے ماننے والوں کوبھی ایک ہونا چاہیے،رب ذوالجلال کاارشاد ہے اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ (الانبیاء:۹۲) ”یہ تمہاری امت ہے جوحقیقت میں ایک ہی امت ہے۔اور میں تم سب کاپروردگار ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔“

یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت ودعوت اسلام کی وحدت تھی جس نے زمین کے دوردراز گوشوں کوایک کردیا تھا اوران کواسلام وایمان کے نام پر متحد ویکجا کردیا تھا۔ ایک مؤمن کاتعلق دوسرے مومن کے ساتھ اس عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کومضبوط بناتا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد ہے: **ان المومن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضا وشبك اصابعه** ”ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کوقوت پہنچاتا ہے اورآپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔“ (صحیح بخاری ۴۸۱ صحیح مسلم ۲۵۸۵)

نبی ﷺ نے مسلمانوں کو باہمی شیر وشکر رہنے کی مثال بیان فرمائی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پیوست کرکے بتلایا کہ مسلمان بھی باہمی طور پر ایسے ہی ملے جلے رہتے ہیں۔جس طرح عمارت کے پتھر ایک دوسرے کوتھامے رہتے ہیں۔ایسا ہی مسلمانوں کوبھی ایک دوسرے کا دست وبازو ہونا چاہیے۔ایک مسلمان پر کہیں ظلم ہورہا ہوتو سارے مسلمانوں کوقانونی واخلاقی طور پر اس کی مدد کے لئے اٹھنا چاہیے۔ کاش امت مسلمہ پیارے رسول ﷺ کی اس پیاری نصیحت کو یادرکھتی تو آج یہ تباہ کن حالات نہ دیکھنے پڑتے۔

آج کل مسلمانوں پر دن بدن جونئ نئ مصیبتیں اور بلائیں آرہی ہیں اور دنیا بھر میں مسلمان ظلم وجور کا شکار ہورہے ہیں اس کو دیکھ کر دل میں پھر سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں ہورہا ہے۔کیا وجہ ہے کہ مسلمان ماضی کی ایک شاندار تاریخ رکھتے ہوئے بھی آج اتنا ذلیل ورسوا اور مایوس ہے۔اور ہرجگہ نشانہ ظلم وستم ہورہا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ اسلام آبادی کے تناسب سے دنیا کا دوسرا سب سے بڑا مذہب ہوتے ہوئے بھی خود کو چھوٹا اور کمزور محسوس کرتا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر دردمند انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

اپنے ان تمام حالات کا ذمہ دار دراصل مسلمان خود ہی ہے کیوں کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر نہیں چلا بلکہ اس نے دنیا کے خودساختہ اصولوں کواللہ کے نازل کردہ اصولوں پر ترجیح دی،اس کے علاوہ مسلمانوں نے اختلافی مسائل کواس مضبوطی سے پکڑا کہ اپنے مسلک ومذہب ہی کو اصل دین سمجھا، تعصب اور تقلید کی بے جاحمایت میں اصل دین یعنی قرآن وسنت کوبھی ترک کردیا۔اور ایک دوسرے کے احترام واکرام کوبھی فراموش کرگیا۔اختلاف مسلمانوں میں دوراول ہی سے رہا ہے، لیکن ان کے اختلاف کے اصول وآداب ہوا کرتے تھے،کوئی بھی اختلافی مسئلہ اسلام کی عصمت کے آگے نہیں آتا تھا۔جب بھی اسلام کا نام لیا جاتا تمام مسلمان متحد ہوکر باطل سے نبرد آزما ہوجاتے تھے۔لیکن مسلمانوں کو مختلف بہانے سے زدوکوب کیا جارہا ہے کہیں اجتماعی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو کہیں ماب لنچنگ کے ذریعہ قتل تک کیا جاتا ہے۔ ان کی بستیاں اجاڑی جارہی ہیں ڈھکے چھپے انداز میں مسلمانوں کے بزرگوں کی یادگاروں کواوران کی عظمت رفتہ کونیست ونابود کیا جارہا ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ عبداللہ بن سبا منافق یہودی تھا، جسے اسلام کی روزافزوں ترقی وترویج نہ دیکھی گئی تو مسلمانوں کے ساتھ کھلواڑ کرنے کے لئے وہ مسلمان ہوگیا،اسلامی لبادہ اوڑھ کراپنی ایک ٹیم تیار کی اور مسلمانوں کے بیچ اختلاف وانتشار کا ایک ایسا بیج بویا کہ وہ تناور درخت کی شکل اختیار کرگیا۔اس کی دسیسہ کاری ومکاری اور فریب کاری سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنی۔ان کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے درمیان اختلاف نے ایک بھیانک صورت اختیار کرلی۔اس کے بعد مسلمان

ایسے تقسیم ہوئے کہ پھر آج تک جڑنا نصیب نہ ہوسکا۔ مسلمان ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوگئے اور وہ مسلمان جنہوں نے کل قیصر وکسری کے تخت وتاج کو مسخر کرلیا تھا، آج ان کی وہ طاقت اور وہ زور ٹکڑا ٹکڑا ہوکر چورا چور ہوگیا۔ زبان ورنگ اور وطن کے اختلاف نے ان کو تقسیم کردیا ہے۔ مسلمان مال ودولت کے پیچھے اس قدر پڑ گیا کہ ان کے یہاں سے ایمان کا جذبہ ماند پڑ گیا۔ مال ومتاع اور دولت وثروت نے مسلمانوں کو باعظمت بنانے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا بلکہ یہ امر واقعہ ہے کہ تمول اور دنیا طلبی نے مسلمانوں کو تقریباً ہر زمانے میں نقصان ہی پہنچایا ہے۔ اسلام دراصل کبھی بھی یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ پیروان اسلام مال ودولت اور عیش وعشرت اور آرام کا سامان ضرورت سے زیادہ اپنے لئے جمع کریں۔ بلکہ وہ سیدھی سادی اور صاف ستھری زندگی گذارنے کا حامی ہے اور فی الحقیقت اسی میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی شان وعظمت کے راز پوشیدہ تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمادی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جبکہ دنیا کی نعمتوں کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے جائیں گے۔ اور یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے بڑا ہی نازک اور خطرناک ہوگا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: **فواللہ ما الفقر اخشی علیکم ولکن أخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا، وتلھیکم کما الھتھم (صحیح بخاری ٦٤٢٥ صحیح مسلم ٢٩٦١)** ''اللہ کی قسم، فقر ومحتاجی وہ چیز نہیں ہے جس سے میں تمہارے متعلق ڈرتا ہوں۔ بلکہ میں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر بھی اسی طرح کشادہ کردی جائے گی جس طرح ان لوگوں پر کردی گئی تھی جو تم سے پہلے تھے اور تم بھی اس کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی اسی طرح کوشش کروگے جس طرح وہ کرتے تھے اور تمہیں بھی اسی طرح غافل کردے گی جس طرح ان کو غافل کیا تھا۔''

ہو بہو یہی ہوا۔ بعد کے زمانوں میں مسلمان محبت دنیاوی میں پھنس کر اسلام اور فکر آخرت سے غافل ہوگئے جس کے نتیجہ میں بے دینی، ہوا پرستی پیدا ہوگئی اور آپس میں لڑنے لگے جس کا نتیجہ یہ انحطاط وزوال ہے، جس نے آج دنیائے اسلام کو گھیر رکھا ہے۔ اور ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **وانی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض وانی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکنی اخاف علیکم ان تنافسوا فیھا** "مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں یا زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں اور اللہ کی قسم میں تمہارے متعلق اس سے نہیں ڈرتا ہوں کہ تم میرے بعد شرک کروگے بلکہ مجھے تمہارے متعلق یہ خوف ہے کہ تم دنیا کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو گے۔'' (صحیح بخاری ٦٤٢٦)

بعد کے زمانوں میں مسلمانوں کی خانہ جنگی کی تاریخ پر گہری نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا، اور بیشتر مسلم اکابر آپس میں رقابت سے تباہ وبرباد ہوگئے حتی کہ علماء کرام بھی اس بیماری سے نہ بچ سکے۔ الامن شاءاللہ۔ مزید اگر گویم زبان سوزد۔

نیز اس حقیقت پر بھی اگر غور وفکر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ غربت وافلاس اور قلت تعداد نے مسلمانوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا کہ مسلمانوں کو دولت وثروت اور دنیا طلبی کی محبت سے نقصان پہنچا ہے جیسا کہ اس حدیث رسول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک الامم ان تداعی علیکم کما تتداعی الاکلۃ الی قصعتھا فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر، ولکنکم غثاء کغثاء السبیل، ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن اللہ فی قلوبکم الوھن فقال قائل یارسول اللہ وما الوھن؟ قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت (ابوداؤد ٤٢٩٧ صحیح مسند احمد ٨٧١٣)

''سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا وقت آنے والا ہے کہ دوسری امتیں تمہارے خلاف ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کہ کھانے والے اپنے پیالے پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ تو کہنے والے نے کہا کیا ہماری ان دنوں قلت اور کمی کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم ان دنوں بہت زیادہ ہوگے، لیکن جھاگ ہوگے جس طرح کہ سیلاب کا جھاگ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ''وہن'' ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا اے اللہ کے رسول! ''وہن'' سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت کی کراہت

اسلام اور مسلمانوں کی ہیبت اور غلبے کا راز کثرت عدد پر نہیں ہے بلکہ اللہ کے تقویٰ اور اس کے دین کی فی الواقع پابندی میں پوشیدہ ہے۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر
منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

☆☆☆

دین اسلام کی چالیس منفرد خصوصیات

محمد طاہر حنیف سلفی

(۱) اسلام عقل وسائنس کے مابین بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپس میں قربت ونزدیکی پیدا کرتا ہے۔

(۲) اسلام روحانیت اور مادیت کے امتزاج کا نام ہے۔

(۳) اسلام تہذیب وترقی کی دعوت دیتا ہے۔

(۴) اسلام کی صداقت کی گواہی معروف عالمی فلسفیوں نے دی ہے۔

(۵) تجربہ کی بنیاد پر جسے ثابت کرنا آسان ہو وہ صرف دین اسلام ہے۔

(۶) دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی ایسا دین نہیں جس کے بنیادی اصولوں میں تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا شامل ہو۔

(۷) اسلام کے علاوہ کوئی ایسا دھرم نہیں جس میں تمام انسانی ضرورتوں کا سامان فراہم ہو۔

(۸) اسلام کے علاوہ کوئی ایسا مذہب نہیں جس میں آسانی، سہولت، اور نرمی کی وافر مقدار موجود ہو۔

(۹) جدید علمی تحقیقات نے بھی اسلامی اصول وضوابط کی صداقت کی گواہی دی ہے۔

(۱۰) تمام زمان ومکان اور اقوام وملل کے مسائل کا حل صرف اسلام میں ہے۔

(۱۱) ہر حال میں جس دین پر عمل کرنا آسان ہے وہ اسلام ہی ہے۔

(۱۲) اسلام افراط وتفریط سے خالی دین ہے۔

(۱۳) اپنے مقدس کتاب کی جس دین نے حفاظت کی ہے وہ صرف اسلام ہے۔

(۱۴) اسلام کے علاوہ کوئی ایسا دین نہیں جس کی آسمانی کتاب میں اس بات کی صراحت ہو کہ وہ ساری انسانیت کے لیے عام ہے۔

(۱۵) اسلام تمام مفید علوم کی تعلیم کا حکم دیتا ہے۔

(۱۶) موجودہ تہذیب وتمدن کی تعمیر نو اسلام کے ایک معمولی جز سے ماخوذ ہے۔

(۱۷) عصر حاضر کی بیمار تہذیب وثقافت کا علاج صرف اسلام کے پاس ہے۔

(۱۸) اسلام عالمی امن وسلامتی کا ضامن ہے۔

(۱۹) اسلام کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسا دین نہیں جو انسانوں کے مابین معاملات کے لیے یکساں قانون لے آئے۔

(۲۰) اسلام طبقاتی کشمکش کا حل پیش کرتا ہے۔

(۲۱) سوشل جسٹس (سماجی انصاف) اسلام کے ذریعہ ممکن ہے۔

(۲۲) اسلام دین فطرت ہے۔

(۲۳) اسلام نے حکام کے ظلم پر قدغن اور شورائیت کا حکم دیا ہے۔

(۲۴) اسلام دشمنوں کے ساتھ انصاف کا حکم دیتا ہے۔

(۲۵) آسمانی کتابوں نے جس دین کی بشارت دی ہے وہ صرف اسلام ہے۔

(۲۶) تاریخ کے مختلف ادوار میں اسلام نے خواتین کو ماں بیوی اور بیٹی کی حیثیت سے حفاظت کی ہے۔

(۲۷) اسلام گورے، کالے، لال، پیلے لوگوں کے درمیان مساوات کا حکم دیتا ہے۔

(۲۸) اسلام تعلیم کو عام کرنے کا حکم دیتا ہے اور مفید علم کو پوشیدہ رکھنے سے روکتا ہے۔

(۲۹) اسلام نے عالمی حقوق کی پاسداری کی ہے۔

(۳۰) جدید طبی انکشافات نے جن احکام کی موافقت کی ہے وہ صرف اسلام میں پائے جاتے ہیں۔

(۳۱) اسلام نے غلاموں کو وحشیانہ معاملات سے نجات، مالکوں کو اپنے غلاموں کے ساتھ عدل ومساوات کا حکم اور انھیں آزاد کرنے کے لیے حوصلہ افزائی پر بار بار زور دیا ہے۔

(۳۲) معقولیت پسندی اور اسی کے مطابق احکام پر چلنے کو صرف اسلام نے برقرار رکھا ہے۔

(۳۳) اسلام مالدار اور فقیر کے مابین توازن برقرار رکھتا ہے۔ وہ اس طرح کہ مالدار کے مال کا تھوڑا سا حصہ غریب اور فقیر کو لازمی طور پر ادا کرنا ہوتا ہے۔

(۳۴) اسلام فطرت اور حکمت الٰہی کے مطابق اخلاق کا متقاضی ہے اور نرمی وگرمی دونوں حالتوں میں الگ الگ موقف کا حکم دیتا ہے۔

(۳۵) اسلام فطری قواعد کی بنیاد پر سول سوسائٹی کے اصول کو قائم کرتا ہے۔

(۳۶) اسلام نے عقل، اخلاق اور انسانی نفوس کو متاثر کیا ہے۔

(۳۷) اسلام نے صحت وتعلیم کی اہمیت پر خصوصی توجہ دی ہے۔

(۳۸) اسلام تمام انبیاء کی دعوت کا مجموعہ اور اس کا فائنل ایڈیشن ہے۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین قابل قبول نہیں۔

(۴۰) اسلام میں ایک انسان کی جان لینا پوری انسانیت کی جان لینے کے برابر ہے۔

☆☆☆

صدقہ وخیرات کی فضیلت

مولانا محمد ثمامہ رحمت اللہ عمری مدنی
استاذ: جامعہ امام ابن تیمیہ، بہار

صدقہ سے مراد وہ مال ہے جو اللہ تعالی کی رضا کے لیے غریبوں کو دیا جاتا ہے۔ معروف لغوی راغب اصفہانی لکھتے ہیں: صدقہ وہ مال ہے جس کا ادا کرنا واجب نہ ہو بلکہ دینے والا اس سے اللہ تعالی کے تقرب کو چاہے۔[راغب اصفہانی ،مفردات الفاظ القرآن: ۴۸۰]

صدقہ مومن کے حق میں ایک عظیم عمل ہے، جس کے ذریعہ وہ اللہ کے نزدیک بے حساب اجر وثواب کا حقدار بنتا ہے، ساتھ ہی اس کے مال واولاد اور خاندان میں برکتیں بھی اترتی ہیں۔ مسلم شریف میں ہے:"مانقصت صدقة من مال ، ومازادالله عبدا بعفوالا عزا وما تواضع أحد لله الا رفعه الله"[اخرجہ مسلم: ۲۵۸۸]۔ترجمہ:"صدقہ کرنے سے مال میں کسی طرح کی کمی نہیں آتی بلکہ اس میں برکت ہوتی ہے، معاف کردینے سے انسان کمتر اور بے وزن نہیں ہوجاتا بلکہ اس کی عزت ووقار میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ کے لیے تواضع وخاکساری اختیار کرنے سے سربلندی وسرفرازی نصیب ہوتی ہے"۔

اس کے علاوہ صدقہ نہ صرف دوسروں کے چہرے پر مسکراہٹ لاتا ہے بلکہ صدقہ دینے والا مذکورہ فعل انجام دینے کے بعد اپنے دل میں جو لذت ،سکون، اطمینان اور راحت محسوس کرتا ہے اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے حدیث میں دوسروں کے کام آنے والے انسان کو سب سے محبوب بندہ اور دوسروں کے دلوں میں خوشی پیدا کرنے کو سب سے بہتر عمل قرار دیا گیا ہے فرمایا:"أحب الناس الی الله أنفعهم للناس وأحب الأعمال الی الله عزوجل سرور يدخله على مسلم"[صحیح الجامع رقم الحدیث: ۱۷۶] ترجمہ: "اللہ کے نزدیک محبوب ترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے اور محبوب ترین عمل یہ ہے کہ کسی مسلمان کو آپ خوش کر دیں"۔ بنابریں نبی کریم ﷺ نے ہر شخص کو چاہے مالدار ہو یا غریب صدقہ کا حکم دیا ہے، فرمایا:"اتقوا النار ولو بشق تمرة"۔[بخاری]۔ترجمہ:"تم دوزخ سے بچو اگرچہ ایک کھجور کا ٹکڑا دیکر ہی کیوں نہ ہو"۔

نبی کریم ﷺ نے جن تین چیزوں کی حقانیت وصداقت کی قسم کھائی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ جو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اس سے اس کے مال میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ صدقہ وخیرات کرنا دنیاوی طور پر بھی مال واسباب میں خیر وبرکت کا موجب ہے اور آخرت میں حصول ثواب کا ذریعہ بھی فرمایا :"ثلاثة أقسم عليهن مانقص مال عبد من صدقة ولا ظلم عبد مظلمة صبر عليها الا زاده الله عزا ولا فتح عبد باب مسالة الا فتح الله عليه باب فقر"[اخرجہ الترمذی فی سننہ، برقم ۲۳۲۵]۔ترجمہ:"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین باتیں ہیں جن کی حقانیت وصداقت پر میں قسم کھا سکتا ہوں کہ بندے کا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ اس ظلم وزیادتی پر صبر کرے تو اللہ تعالی اس کی عزت بڑھا دیتا ہے اور جو شخص اپنے نفس پر سوال کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لیے فقر وافلاس کا دروازہ کھول دیتا ہے"۔

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ کرنے والوں کے لیے روز قیامت صدقہ سایہ بن کر کھڑا رہے گا یہاں تک کہ لوگوں کا فیصلہ نہ ہوجائے"كل امرىء في ظل صدقته حتى يقضى بين الناس" [صحیح الجامع للالبانی، برقم ۴۵۱۰]۔ترجمہ:" ہر آدمی اپنے صدقہ کے سایہ میں کھڑا ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کا فیصلہ ہوجائے"۔ نیز ان کے اعزاز وتکریم کے لیے جنت میں "صدقہ" نامی دروازہ بنائے گئے ہیں، جس سے انہیں بلایا جائے گا، فرمایا: "من انفق زوجين في سبيل الله نودى في الجنة : يا عبدالله ،هذا خير،فمن كان من اهل الصلاة دعى من باب الصلاة ،ومن كا ن من اهل الجهاد دعى من باب الجهاد ،ومن كا ن من اهل الصدقة دعى من باب الصدقة ومن كان من اهل الصيام دعى من باب الريان "[اخرجہ البخاری فی صحیحہ برقم: ۱۸۹۷، ومسلم فی صحیحہ برقم: ۳۱۳۵] ترجمہ:"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ کے راستے میں دو چیزیں خرچ کرے گا اسے فرشتے جنت کے دروازے سے بلائیں گے کہ اللہ کے بندے! یہ دروازہ اچھا ہے پھر جو شخص نمازی ہوگا اسے نماز کے دروازہ سے بلایا جائے گا جو مجاہد ہوگا اسے جہاد کے دروازہ سے بلایا جائے گا اور جو زکات ادا کرنے والا ہوگا اسے زکات کے دروازہ سے بلایا جائے گا اور جو روزہ دار ہوگا اسے باب ریان سے بلایا جائیگا"۔

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

مولانا محمد محب اللہ بن محمد سیف الدین الندوی

انسانی زندگی پر صحبت اور ماحول کے اثرات

یہ ناممکن ہے آیا پاس اور پھر تر نہ ہوجائے
محبت کے اڑا کرتے ہیں فوارے محبت میں

آدمی جس فضاء اور ماحول میں رہتا ہے، عموماً اس میں رنگ جاتا ہے، چاہے انھیں اسکا شعور ہو یا نہ ہو، یہ ایک بدیہی حقیقت ہے، جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، صالح اور نیک ماحول میں رہتا ہے تو صالح بن جاتا ہے، مؤمنین صدیقین وشہداء کا درجہ پاتا ہے، برے اور گندے ماحول میں رہتا ہے تو اس کے سارے اعضاءِ جسم، ذہن دل ودماغ اس گندگی سے مانوس ہوجاتے ہیں اور اپنا قرین فرعون، ہامان، وسرکش شیطان کو بنالیتا ہے، مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: کسی فرد یا قوم کے بننے اور بگڑنے کا اصل مدار اس کے ماحول اور سوسائٹی پر ہوتا ہے انسان نا چاہتے ہوئے بھی اس سے متاثر ہوجاتا ہے اور غیر شعوری طور پر اس کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اسلئے جب تک ماحول درست نہ ہو، کوئی تعلیم وتربیت کام نہیں دیتی اسلئے قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کو سدھارنے کے لئے ہر شخص پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے، اچھا ماحول بڑی محنت سے بنتا ہے، اور بڑی محنت سے باقی رہتا ہے براماحول آسانی سے بن جاتا ہے اور آسانی سے قائم رہتا ہے، جب اچھے ماحول کی فکر نہ ہوگی تو براماحول خودبخود قائم ہوجائے گا انسان کتنا ہی بڑا عاقل، عالم، تجربہ کار، دقیق النظر، آزاد طبع ہو لیکن خاندانی روایات، قومی خیالات، معاصرین کی صحبت گردوپیش کے حالات ایسی چیزیں ھیں کہ زیادہ تر انسان ان ہی چیزوں کے قالب میں ڈھلتا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انسان کے تمام تر معتقدات وخیالات ان ہی اسباب کے لازمی نتائج ہیں، عام طور پر لوگ کسی خاص طبقہ یا چند افراد اور بعض اوقات تنہا کسی فرد کو پوری سوسائٹی کی خرابی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں نے یا اس بدکردار نے پوری زندگی کو غلط رخ پر ڈال دیا تھا، یہ نظریہ صحیح نہیں ہے، ایک مچھلی تالاب کو گندہ کرسکتی ہے لیکن ایک شخص سوسائٹی کو بگاڑ نہیں سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اچھی سوسائٹی میں برے آدمی کا گذر نہیں ہوسکتا، وہ گھٹ گھٹ کر مرجائے گا، جسطرح مچھلی کو پانی سے باہر کردیا جائے تو وہ گھٹ گھٹ کر مرجاتی ہے اسی طرح جو سوسائٹی برائی کی ہمت افزائی نہیں کرتی وہ اسے خوش آمدید کرنے کے لئے تیار نہیں اس میں برائی تڑپنے لگتی ہے، اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ (پیام انسانیت)

اگر آپ نیک صحبت وسنگت میں رہیں گے تو آپ بھی نیک بنیں گے اور بروں کی صحبت میں رہیں گے تو برا بنیں گے، شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

پسر نوح بابداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد،

یعنی نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بروں کی صحبت اختیار کی، جسکی وجہ سے اس سے نبوت کا خاندان چھوٹ گیا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ پیغمبروں کی نیک اولاد کو بھی نبوّت سے سرفراز فرماتے ہیں، جبکہ اصحاب کہف کا کتا چند دن نیک لوگوں کی صحبت میں رہا جسکی وجہ سے وہ ان نیک لوگوں کے ساتھ ہی گنا جانے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اپنے ان اولیاء کے ساتھ اس جانور کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں محفوظ کردیا۔

تفاسیر میں آتا ہے کہ اصحاب کہف جب اپنے بت پرست اور ظالم بادشاہ "دقیانوس" کے ظلم وستم سے تنگ آکر مشرکانہ ماحول چھوڑ کر مقام "ایکہ" کے قریب "رقیم" نامی وادی (جو آج کل اردن میں ہے) کے غار میں روپوشی کے لئے جانے لگے تو ایک کتا بھی ان کے ساتھ ہوگیا، انھوں نے ان کو بھگانے کی کوشش کی، اوران کو ڈھیلے مارے کہ وہ ان کے پیچھے نہ آئے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو قوت گویائی دی، اس نے اس مقدس گروہ سے کہا "اے اللہ کے بندوں! تم جس شرک وبت پرستانہ ماحول سے تنگ آکر جارہے ہو، میں بھی اس ظالم وبت پرست معاشرے سے تنگ آگیا ہوں، لہٰذا تم جہاں جارہے ہو، مجھے بھی وہیں لیتے جاؤ" (تفسیر طبری)

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں "یہ ان اولیاء اللہ کی برکت تھی، جس نے اس بے زبان کو بھی شامل کرلیا، جس کی وجہ سے، جن جن کیفیتوں سے وہ گذرے۔ وہ جانور بھی انھیں کیفیتوں سے گذرا، یہ نیکوکاروں کی صحبت کا فائدہ ہے کہ اس جانور کی خبر، تذکرہ اور شان بھی ان اللہ والوں کے ساتھ آگئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

صحیح البخاری والمسلم کی روایت ہے "عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: (مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَجَلِيسِ السَّوْءِ كَحَامِلِ المِسْكِ وَنَافِخِ الكِيرِ؛ فَحَامِلُ المِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ, وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ, وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً, وَنَافِخُ الكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ, وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً " صحیح البخاری برقم

(5534) صحیح المسلم برقم (2628)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک اور بدساتھی کی مثال، مشک بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے،

قال ابن حجر رحمه الله "وفي الحديث النهي عن مجالسة من يتأذى بمجالسته في الدين والدنيا والترغيب في مجالسة من ينتفع بمجالسة فيهما (فتح الباری/۳۲۴/۴)

یعنی اس حدیث میں ممانعت ہے ان لوگوں کی مجلس میں شرکت کرنے سے جو آپ کے دین ودنیا کو نقصان پہنچائے اور وہ مجلس جس سے آپ کے دین ودنیا کا فائدہ ہواسطرح کی مجلس میں شرکت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا"..........وفيه فضيلة مجالسة الصالحين وأهل الخير والمروءة ومكارم الأخلاق والورع والعلم والأدب ،والنهي عن مجالسة أهل الشر وأهل البدع ،ومن يغتاب الناس ، أو يكثر فجره وبطالته ونحو ذالک من الأنواع المذمومة (شرح النووي علی صحیح مسلم ۱۶/۱۷۸) یعنی، اس حدیث میں صالحین، زاہدین خیر وبھلائی والے اور اچھے اخلاق کے حامل اور علم وادب کے پیکر انسانوں کی مجلس میں بیٹھنے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے اوراسی طرح دین میں نئی بات ایجاد کرنے والے، شریر، شوخ طبع، متکبر چغلخور اور غیبت کرنے والے کی مجلسوں سے دور رہنے کو کہا گیا ہے۔

معزز قارئین: اس حدیث اور دیگر نصوص شرعیہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحبت صالح سے انسان عظیم بنتا ہے اس کا دین اور دنیا دونوں فوز وفلاح سے شادکام ہوتا ہے، برعکس بری صحبت اور گندے ماحول کے، جوگندے ماحول، گندے ذہن وفکر کے ساتھ رہتا ہے تو وہ بھی گندہ ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"الرجل على دين خليله فلينظر من يخالل " آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا کسی کو دوست بنانے سے قبل اس کی سیرت وکردار کو دیکھ لے، انسان پر ماحول کا کتنا اثر ہوتا ہے آپ اس واقعہ سے اندازہ کیجئے، حضرت مجدّد الف ثانی سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ ایک چمڑا پکانے والے کا لڑکا چمڑے دار ماحول سے اتنا متاثر تھا کہ ایک بار وہ عطر کی دوکان سے گذرا تو عطر کی خوشبو کا متحمل نہ ہوسکا اور بے ہوش ہوکر گر پڑا، جب باپ نے پرانے چمڑے کو سنگھایا تو ہوش آیا، لہذا ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ نیک صحبت کی جستجو کریں، غلط کار اور بے دین دوستوں سے دور رہے جو دوست کسی گناہ پر جمع ہوں، اور خلاف شرع امور پر ایک دوسرے کی اعانت وہمت افزائی کرتے ہوں، ان سب سے بچیں یہی لوگ قیامت کے دن اپنی اس غلط رفیقی ودوستی پر روئیں گے، جیسا کہ رب تعالیٰ نے متعدد آیات قرآنیہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (سورة الزخرف:٦٧)

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (سورة الهود:١١٣)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا [الفرقان ٢٧-٢٩]

محترم قارئین: بری صحبت کے بہت سارے مفاسد ومضرات ہیں، مثلاً انسان کے دین کو برباد کرتا ہے، اسکے عقیدہ کو بگاڑ دیتا ہے، اسکے مال ودولت کو نقصان پہنچاتا ہے، اپنے گھر والوں کی عزت کا نیلام کرتا ہے، اپنی عمر کو برباد کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ، یاد خدا سے اعراض بری سنگت وصحبت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ [الزخرف ٣٦-٣٧] ’’اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں وہی اس کا ساتھی رہتا ہے اور وہ انھیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں۔‘‘

امام مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا أنك ان تنقل الحجارة مع الابرار خير من أن تأكل الخبيص مع الفجار "

یعنی صالح ونیک لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھا کر یعنی مزدوری کر کے کھانا بہتر ہے اس سے کہ تم فاجر وفاسق وبدطینت لوگوں کے ساتھ خبیص (ایک قسم کا لذیذ کھانا جو کھجور اور گھی وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے) نامی کھانا کھاؤ۔

نیک صحبت، صالح ماحول پر اسلام ہمیں کیسے ابھارتا ہے ذرا ہم ان احادیث پر غور کریں۔

"عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: »تُنكح المرأة لأربع: لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك (متفق عليه) یعنی انسان نکاح چار چیزیں دیکھ کر کرتا ہے، مال ودولت، جمال وخوبصورتی، حسب ونسب، اور دین ،فاظفر بذات الدين تربت يداك ، لیکن دیندار کو ترجیح دینے کا حکم دیا گیا، اسلئے کہ اگر نیک عورت کی صحبت میں رہے گا تو اس کو دین ودنیا کے امور میں فائدہ ہوگا۔

دوسری حدیث ،ابن عباس-رضي الله تعالى عنهما- قال: قال النبي لجبريل : ما يمنعك أن تزورنا أكثر مما تزورنا؟، فنزلت: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ

[مریم: 64]أخرجه البخاری، باب وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ لَهُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا[مریم:64]، رقم: (4731).

الشاهد فی هذا الحديث مما يتصل بهذا الباب أن النبی صلی الله عليه وسلم قال لجبريل: ما يمنعک أن تزورنا أکثر مما تزورنا؟ فطلب زيارة أهل الفضل شئی مطلوب والنبی صلی الله عليه وسلم قد طلب ذلک من جبريل، ونزلت هذه الآية: وما نتنزل الا بأمر ربک المعنی : الا باذنه، ويحتمل وما نتنزل الا بأمر ربک أی : ننزل بما يأمر به الی النبی صلی الله علی أی بالحلال والحرام والأحکام، وما شابه ذلک، والمعنی الأول أقرب.

له ما بين أيدينا وما خلفنا وما بين ذلک أی: ما أمامنا وخلفنا من الأزمنة والأمکنة، فلا ننتقل من شئی الی شئی الا بأمره ومشيئته تبارک وتعالی فنحن عبيده واقفون عند حدوده، وما يأمر به ولا ننزل عن عند أنفسنا.

والمقصود أن المومن يحرص علی أهل الفضل والخير أن يزوروه وأن يعاشرهم وأن يخالطهم، وأن يکون هؤلاء هم أهل صحبته ومجالسته، ويدل علی ذلک أيضا الحديث الآخر وهو:

عن أبی سعيد الخدری: ان النبی صلی الله عليه وسلم قال: لا تصاحب الا مؤمنا ولا يأکل طعامک الا تقی اخرجه أبوداؤد أول کتاب الأدب، باب من يومر أن يجالس رقم: (4832)، والترمذی، باب ما جاء فی صحبة المومن رقم (2395)، وحسنه الالبانی فی صحيح الجامع رقم: (7341).

قوله: لا تصاحب، ای لا تتخذه صاحبا، لأن الصاحب ساحب کما قيل، ولانسان يتاثر بمن يخالطه ولا محالة ولو قال: أنا واثق من نفسی، وأنا اعرف أننی لا أتاثر لا، لابد أن الانسان يتاثر بالخطاء شاء أم أبی قال: ولا يأکل طعامک الا تقی والمقصود بهذا ليس الطعام الذی يعطی علی سبيل الصدقة أو دفع الحاجة فان هذا مطلوب، والنبی صلی الله عليه وسلم يقول: فی کل کبد رطبة أجر.

أخرجه البخاری، کتاب المساقاة، باب فضل سقی الماء، رقم 2363 ومسلم، کتاب السلام باب فضل ساقی البهائم المحترمة واطعامها رقم: (2244).

ان احادیث وتشریحات کامختصر سا مفہوم یہ کہ اخیار وصلحاء واتقیا کی صحبت اختیار کریں ، نیک وبزرگ انسانوں کے ہمنشیں بنیں ،فاسق فاجر وغیرہ کی مجالست ومخالطت سے بچیں۔

نیک سنگت صالح صحبت کے اثرات انسانی زندگی پر مترتب ہوتے ہیں،انسان اگر علماء حق کی مجلس کا حصہ بنیں ،متقیوں اور پارساؤں کی رفاقت میں رہے تو اس کی زندگی میں بھی ایک انقلاب آئے گا، پھول سے جڑے رہے تو خوشبو ملے گی ، اور کانٹوں سے جڑا رہے تو کانٹے چبھیں گے،گندگیوں میں رہے تو آپ بھی گندے ہوں گے، شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب " گلستاں" میں صحبت پذیری کا ایک البیلا قصہ درج فرمایا ہے،آپ فرماتے ہیں:

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتیم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ مع تشریح: شیخ سعدی شیرازی کہتے ہیں کہ میں ایک روز غسل کے لئے کسی حمام میں آ گیا ایک کرم فرمانے میری جانب خوشبودار مٹی کا ایک تودہ بڑھایا،اس کی بھینی بھینی خوشبو سے مست ہوکر میں نے عالم حیرت میں اس سے کہا کہ آخر تو کون سی خوشبو ہے؟ تو مشک ہے یا عنبر؟ تونے اپنی دلآویز خوشبو سے مجھکو اپنا دیوانہ اور گرویدہ بنالیا ہے۔

اس نے کہا ارے بھائی سعدی: اس خاکسار کی کیا حقیقت ہے میں تو ایک ناچیز مٹی تھی ،لیکن ہاں یہ بات ضرور ہے اور ہمیں احسان فراموش نہیں ہونا چاہئے کہ میں ایک مدت تک پھولوں کی صحبت میں رہی، ان سے چپکی رہی، بس یہی بات ہے اور کوئی بات نہیں۔لہٰذا ہمنشیں کی خوبیوں نے مجھ پر اپنا اثر کیا، ورنہ میں کس قابل تھی؟ میں تو وہی خاکسار مٹی ہوں۔

لہٰذا اچھے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے اور بری صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں، پانچ شخصوں کی دوستی سے انسان کو احتراز کرنا چاہیے۔

1۔ جھوٹا شخص : اس لئے کہ وہ ہمیشہ تمہیں دھوکے میں مبتلا رکھے گا، وہ ایک سراب کی طرح ہے جو کہ حقیقت کو چھپاتا ہے، جو خلاف حقیقت ہے اسے دکھاتا ہے جو حقیقت ہے اسے چھپاتا ہے۔

2۔ نادان شخص: وہ اپنی نادانی سے تمہیں فائدہ پہنچانے کے بجائے الٹا نقصان پہنچادے گا جیسا کہ اردو میں محاورے مشہور ہیں۔

نادان دوست بد ترین دشمن ہے
نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے

دانا دشمن نقصان پہنچانے سے پہلے انجام پر غور کرتا ہے،لیکن نادان دوست فائدہ پہنچانے کی خواہش میں وہ نقصان پہنچاتا ہے کہ انسان ایک زمانے تک بھول نہیں پاتا ہے۔

3۔بخیل: اس لئے کہ وہ تمہیں وہ چیز نہیں دے گا جس کے تم سب سے زیادہ محتاج ہوگے،اور عین وقت پر تمہیں دھوکہ دے گا۔

4۔ بزدل: یہ شخص شدائد ومصائب میں تمہیں دشمن کے حوالے کر کے خود بہادری کے ساتھ بھاگ جائے گا۔

5۔فاسق وفاجر: وقت پڑنے پر یہ شخص تمہیں کوڑیوں کے دام بیچ دے گا،اگر یہ کام نہ بھی کرے تو تم اس کی صحبت کی وجہ سے فسق وفجور میں گرفتار ہو جاؤگے۔اس لئے کہ برے شخص کی عادتیں نیک آدمی میں نہایت تیزی کے ساتھ سرایت کر جاتی ہیں،جیسا کہ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

عدوى الشقي الى السعيد سريعة
والجمر يوضع في الرماد فيخمد ،

ترجمہ: بد بخت آدمی کی بیماری نکوکار شخص میں بعجلت تمام منتقل ہو جاتی ہے،جیسا کہ ایک چنگاری گھاس کے ایک بڑے ذخیرے کو چند لمحوں میں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیتی ہے۔(بحوالہ ماہنامہ مصباح مئی 2009ء صفحہ نمبر 11)

خلاصہ تحریر یہ کہ انسانی سیرت کی پاکیزگی،اخلاق کی بلندی اور کردار کی پختگی کا واحد مؤثر ذریعہ اچھی صحبت ہے۔اسلام سے پہلے بھی جس دور کو ہم جاہلیت کے دور سے تعبیر کرتے ہیں یہ اصول متفق علیہ تھا،مشہور جاہلی شاعر طرفہ اپنے معلقہ میں کہتا ہے۔

عن المرء لا تسئل وأبصر قرينه
فان القرين بالمقارن مقتدى
اذا أنت في قوم فصاحب خيارهم
ولا تصحب الأردى فتردى مع الردى

(یعنی اگر تم کو کسی شخص کے متعلق تحقیق مقصود ہو تو اس شخص کی تحقیق نہ کرو بلکہ اس کے ہمنشینوں کو دیکھو،کیونکہ دوست اپنے ہمنشینوں کا متبع ہوتا ہے جیسے ہم نشین ہوں گے،ویسا ہی وہ شخص ہوگا،جب تم کسی قوم میں ہو تو اس قوم کے اچھوں کی صحبت اختیار کرو،ناکارہ لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھو،ورنہ تم ہلاک ہو جاؤگے۔)

جسکی ادا پہ ہو انسانیت کو ناز
مل جائے کاش ایسا بشر ڈھونڈتے ہیں ہم

☆☆☆

نظم

ڈاکٹر عبدالرؤف صآبر رحیمی

جو قرآن و سنت کی مشعلیں جلاتا ہے
نیکیاں گلابوں کی دن بدن سجاتا ہے

ہے فلاح انساں کا دل میں شادمانی ہے
جو بھی دعوتِ حق پر لوگوں کو بلاتا ہے

ابن تیمیہؒ تم ہو وقت کے مجاہد بھی
کوئلوں کی طاقت سے ظلم جو مٹاتا ہے

عبدالوہاب نجدیؒ کی دعوت و عزیمت ہو
نجد و تہامہ سے جو تمہیں اٹھاتا ہے

تم جہیز کی رسمیں توڑ کیوں نہیں دیتے؟
جو گناہ کرنے پر تم کو ورغلاتا ہے

فخر تجھ کو اے مرکز تیری کامرانی پر
دعوت و رسالت کو کُو بہ کُو سناتا ہے

شکریہ ادارت کا ترجمان روشن ہے
کیسا یہ ایڈیٹر ہے! تہلکہ مچاتا ہے

آپ کا تعاون ہے کارِ خیر میں صآبر
نظم کی زباں لے کر حوصلہ بڑھاتا ہے

سرسید اوران کا عہد

ڈاکٹر محمد شیث ادریس تیمی

سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) نے جس زمانے میں آنکھیں کھولیں وہ ملکی وعالمی سطح پر عجیب سماجی، سیاسی، تہذیبی اور معاشی کشمکش میں مبتلا تھا۔ وطن عزیز ہندوستان میں عظیم مغلیہ سلطنت اورنگ زیب کی وفات کے ساتھ دم توڑنے لگی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا یہ دن بدن کمزور ہوتی گئی۔ انیسویں صدی تک آتے آتے ملک کا سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشی ڈھانچہ تبدیلیوں سے دوچار ہونے لگا تھا۔ مشرقی اقتدار دم توڑ رہے تھے اور ان کی جگہ برطانوی طاقت اور مغربی تہذیب وتمدن نشوونما پا رہی تھی اورنگ زیب کی وفات کے بعد مرکزی حکومت کی کمزوری کا فائدہ صوبیداروں نے اٹھانا شروع کر دیا اور ایک ایک کر کے تمام ریاستیں خودمختار ہونے لگیں۔ دنیا کے دیگر ممالک بھی اس وقت سیاسی وسماجی اتھل پتھل سے دوچار تھے۔ خود برطانیہ میں جیمس دوم کو ہٹانے کے بعد سیاسی اقتدار وہاں کی پارلیمنٹ کے ہاتھوں میں آ گیا تھا لیکن شاہی حکومت ابھی بھی موجود تھی۔ ادھر امریکہ نے بھی غلامی کا طوق اتار پھینکا اور ۱۷۸۹ء میں فرانس میں انقلاب برپا ہوا۔ بقول ثریا حسین:

''مغرب میں ہمہ گیر سیاسی انقلابات پہلے ہی شروع ہو چکے تھے۔ انگلستان میں شاہ جیمس دوم کو ہٹانے کے بعد ۱۶۸۸ء کے انقلاب سے سیاسی اقتدار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں آ گیا۔ حالانکہ شاہی نظام حکومت بحال تھا۔ امریکہ نے اٹھارہویں صدی کے اواخر یعنی ۱۷۷۵ء تا ۱۷۸۱ء میں جنگ آزادی کا علم بلند کیا اور برطانوی سامراج کے شکنجے سے آزاد ہو گیا۔ انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء کے بعد ایسا نظام تشکیل پایا جس کی بنیاد حریت، اخوت اور مساوات پر قائم تھی۔''(۱)

اس بین الاقوامی سیاسی وسماجی تبدیلیوں سے ہندوستان کا عام انسان ناواقف تھا۔ سیاست کے نام پر ان کے پاس صوبجاتی تصادم اور خانہ جنگیوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ قحط نے عوام کی حالت کو بدتر بنا دیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ برطانوی حکومت اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے ہر ممکن کوشش میں لگی رہی اور رفتہ رفتہ پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔ یوں تو کئی قوموں نے ہمارے ملک پر قبضہ جمانے کی کوشش کی لیکن کامیابی صرف اور صرف انگریزوں کو نصیب ہوئی۔ بقول نورالحسن نقوی:

''کئی قوموں کے درمیان رسہ کشی ہوئی، فرانسیسیوں اور پرتگالیوں نے آخر ہار مان لی۔ انگریز خوش قسمت تھے کہ انہوں نے رفتہ رفتہ سارے ملک پر قبضہ جما لیا۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حکومت برائے نام رہ گئی۔''(۲)

برطانوی حکومت نے اب اپنا خوفناک چہرہ دکھانا شروع کر دیا۔ اس نے یہاں کی مذہبی تعلیم کے تانے بانے کو نقصان پہنچانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ عیسائیت کا پرچار کیا جانے لگا۔ پادری اپنے مدارس کھولنے لگے، جس سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ دوسری جانب انگریزوں نے انگریزی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا۔ ادب وسائنس کی تعلیم پر زور دیا جانے لگا۔ ان حالات نے ہندوستانیوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ چنانچہ ہندو اور مسلمان ہر دو فرقے میں بعض مصلحین پیدا ہوئے۔ ۱۸۶۰ء میں نواب عبداللطیف نے اصلاح قوم کے خیال سے محمڈن لٹریری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۶۶ء میں مدرسہ دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ ہندوؤں میں بھی غلط رسم ورواج اور جھوٹی مذہبی روایت کو ختم کرنے کی کوششیں بروئے کار لائی گئیں۔ معاشرتی مساوات کے تصور کو عام کئے جانے پر زور دیا جانے لگا۔ راجا رام موہن رائے نے غلط ہندو رسم ورواج پر تنقید کی اور ایک خدا کی عبادت پر زور دیا۔ راجہ رام موہن رائے کے پیرو رویندرناتھ ٹیگور اور کیشب چندر نے تعلیم وتعلم پر زور دیا اور ذات پات کو معاشرے کا ناسور قرار دیا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے مدراس میں دیوسماج (۱۸۶۴ء) کی بنیاد پڑی۔ مہادیو گووندرانا ڈے نے بمبئی پرارتھنا سماج ۱۸۶۶ء میں قائم کی۔ شمالی ہند میں سوامی دیانند نے آریہ سماج کا پرچار شروع کیا۔ سوامی وویکانند نے مغربی فلسفہ اور جدید خیالات کی روشنی میں معاشی بدحالی کو دور کرنے کا طریقہ بتایا اور تعلیم نسواں پر زور دیا جانے لگا۔

لیکن اس پوری صورت حال کی سب سے زیادہ ضرب مسلمانوں پر پڑی۔ دیکھتے دیکھتے صاحبان تخت وتاج کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ ہر ممکن طریقے سے ان کو زدوکوب کیا جانے لگا۔ خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''۱۸۵۷ء کے بعد برطانوی حکومت کے ظلم وستم کا شکار سب سے زیادہ مسلمان ہوئے۔ پنڈت نہرو نے لکھا ہے کہ وہ مقابلۃً زیادہ جنگ جو اور لڑاکو سمجھے جاتے تھے اس لیے حکومت بھی ان کو زیادہ خطرناک سمجھتی تھی۔''(۳)

برطانوی حکومت نے خاص کر مسلمانوں کو تختہ مشق بنانا شروع کیا اور اس معاملے میں حیوانیت ودرندگی کی ساری حدود پھلانگ دینے کو اپنے لئے مایۂ افتخار سمجھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے بڑے رؤسا اور امراء تک اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگے۔ شارب ردولوی رقمطراز ہیں:

''وہ بھی مفلوک الحالی کا شکار تھے اور بڑے بڑے عالی خاندان لوگوں کے گھروں میں چراغ جلانے کے لئے تیل نہیں تھے۔ اندھیری رات میں جب پیاس کی شدت بڑھتی، بجلی چمکنے کے منتظر رہتے کہ دیکھیں کہ کوزہ کہاں رکھا ہے اور پیمانہ کدھر ہے۔''(۴)

صورت حال کی ابتری صرف یہاں تک ہی نہیں تھی، بلکہ پورا کا پورا معاشرہ اندر سے ہل چکا تھا۔ اور اس کی ساری کی ساری اینٹیں کمزور پڑ گئیں تھیں۔ ڈاکٹر قدسیہ خاتون لکھتی ہیں:

''سترہویں صدی کے ہندوستان پر نظر ڈالی جائے تو اس کے سیاسی نظام کی بنیاد جاگیرداری پر تھی۔ جس کی قوت نوابوں، راجاؤں اور جاگیرداروں کی ریاست بندیوں اور آپس کی خانہ جنگیوں میں منتشر ہو چکی تھی ساتھ ہی غلط رسوم اور عقائد مذہب کے نام پر اتنی سختی سے رائج ہو گئے تھے کہ مذہب کا جز سمجھے جانے لگتے تھے جن میں کوئی تبدیلی مذہب سے انحراف تھا۔ اس طرح ہندوستانی تہذیب جو شائستگی اور حسن میں اپنا نام رکھتی تھی، اس میں نمو کی طاقت سلب ہونے لگی۔'' (۵)

ایسے پر آشوب اور پرفتن دور میں سرسید احمد خان کا ظہور ا ہوا۔ ان تمام حالات کو ان کا دردمند دل برداشت نہ کر سکا اور خفتہ قوم کو پھر سے جگانے کی ذمہ داری انہوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ انہیں زندگی کی تمام راحتیں میسر تھیں لیکن ان کی راتیں جاگتے کٹیں اور دن بے آرامی میں بسر ہوئے۔ انہوں نے قوم کی بدحالی اور تعلیمی پسماندگی سے چھٹکارا دلانے کے لیے اپنی پوری زندگی صرف کر دی۔ یہ کام انہوں نے تن تنہا شروع کیا تھا لیکن جلد ہی ملک اور قوم کا درد رکھنے والے لوگ ان سے جڑتے چلے گئے۔ یہ ان کے عہد کی سب سے اچھی بات تھی۔ سرسید کا عہد جدید تعلیمی اور تہذیبی اعتبار سے کئی اچھے منظرنامے پیش کرتا ہے۔ اس حوالے سے یہ شعر:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

پوری طرح صادق آتا ہے۔

سرسید نے قوم کو بیدار کرنے کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا تھا، لیکن اس دور میں یا عہد میں ایسے بہت سے لوگ تھے جو سرسید کے مشن سے سیدھے طور پر وابستہ تھے۔ تمام افراد و شخصیات کا ذکر یا ان کے کارنامے کا بیان یہاں ممکن نہیں۔ لیکن مختصراً ان افراد کا ذکر ضروری ہے جنہوں نے سرسید کے مشن کو تقویت بخشی۔ ان میں خواجہ الطاف حسین حالی، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولانا شبلی نعمانی، مولوی نذیر احمد، جسٹس سید محمود، مولوی سمیع اللہ خاں، راجا جے کشن داس، مولوی سید زین العابدین، مولوی چراغ علی اور مولوی ذکاءاللہ کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔

سرسید نے مبنی برا قدار تہذیب وتمدن کے فروغ، سماجی و اخلاقی اصلاح اور ہر طرف پھیلی ہوئی برائیوں کو دور کرنے کے لیے مغربی تعلیم کا حصول ضروری قرار دیا۔ ان کا یقین تھا کہ جب قوم تعلیم یافتہ ہوگی تو اس کی سوچ بدلے گی اور جب سوچ بدلے گی تو اس کے اندر اچھے اور برے کی تمیز آ جائے گی، یہی تمیز اسے ترقی کی راہ پر گامزن کردے گی۔ بقول ثریا حسین:

''سید احمد خاں نے چاروں طرف پھیلی ہوئی سیاسی ابتری، معاشی بحران، تعلیمی بے مائیگی اور تہذیبی شکست وریخت کا علاج مغربی تعلیم کے حصول میں دیکھا اور فکر و نظر کے پیمانوں کو جدید حالات اور عصری تقاضوں کے مطابق ڈھال دینے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ وہ راجہ رام موہن رائے اور انیسویں صدی کے دیگر مصلحین کی اس روایت سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے عملی جدوجہد اور قلم کے ذریعے ملک وقوم کے سدھار کی مہم کو سر کیا۔ فرق یہ تھا کہ ان کی تعداد کم نہ تھی اور سید احمد خاں تن تنہا تھے۔'' (۶)

سید احمد خاں نے سماج کے تمام پہلوؤں پر غور وخوض کیا۔ دراصل ان کا ذہن ہر وقت معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی اور تہذیبی اصلاح کے منصوبے تیار کرتا رہتا تھا۔ انہوں نے بے عملوں کو ہر ممکن کوشش کرنے کی تعلیم دی، گوشہ نشینوں کو کھلی ہوا میں سانس لینا سکھایا، ماضی کے پرستاروں کو حال کی اہمیت سے واقف کرایا اور جو اپنے اجداد کے کارناموں پر خوش ہوتے ان کو ان کی موجودہ حیثیت کا احساس دلایا۔ جس کو ان کے عہد کا کوئی مورخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گا۔

سرسید احمد خاں نے چار طرح کے کام انجام دیے:

۱۔ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور ان کو جدید علوم وفنون سے آراستہ کرنے کی جدوجہد کی۔

۲۔ مغربی علوم وفنون جو انگریزی میں تھے اور اس وجہ سے مسلمان اور عام ہندوستانی ان سے پورے طور پر فیض یاب نہیں ہو پا رہے تھے۔ ان کو اردو زبان میں منتقل کرنے اور اردو خواں حضرات تک پہنچانے کی سعی بلیغ کی۔

۳۔ مسلمان اس وقت بحیثیت مجموعی ایک پسماندہ قوم بن گئے تھے۔ ان میں قوت عمل تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ جھوٹی شیخی، کاہلی، بے راہ روی اور غیر مستقل مزاجی عام مرض بن چکا تھا، مسلمان ایک خفتہ قوم بن کر رہ گئے تھے، سرسید احمد خاں نے ان کو بیدار کرنے اور باعمل بنانے کی جدوجہد کی اور ان میں عزم وحوصلہ پیدا کیا۔

۴۔ انگریزی تہذیب مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج کے طور پر ابھر کر سامنے آئی، تجرباتی علوم کے غیر معمولی ارتقاء اور یورپ کے پس منظر میں مذہب کی شکست نے عالم اسلام میں بھی عجیب صورتحال پیدا کر دی، مذہب کو عقل کی میزان پر پرکھا گیا اور بزعم خویش ناقص پا کر رد کیا جانے لگا۔ دوسری طرف اسلامی علوم میں بے تحاشا جمود وتعطل کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور وہ بھی معاصر چیلنجوں کا جواب دینے سے قاصر تھا، سرسید احمد خاں نے نئی اجتہادی بصیرت پیدا کی، قدیم متکلمین اور فلاسفہ اسلام کے افکار سے استفادہ کر کے جدید علم کلام ایجاد کیا۔ مغرب کے چیلنجوں کا جواب دیا اور اس کام کے لیے ایک پوری ٹیم تیار کی جس نے گراں قدر علمی، فکری اور تعلیمی خدمات انجام دیں۔ اسلامی معتقدات اور مسلمات کے سلسلے میں سرسید کے اعتزال پر مبنی افکار وخیالات کے بارے میں متعدد مثبت ومنفی آراء قائم کی جاسکتی ہیں اور ان پر کلام ہونے کی گنجائش سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ان کی نیت پر بہرحال کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

مصادر و مراجع: (۱) ثریا حسین، سرسید اور ان کا عہد، ص ۱۳ (۲) نور الحسن نقوی، سرسید اور ان کے کارنامے، ص ۷ (۳) خلیق احمد نظامی، سرسید احمد خان ص ۷، ڈویژن منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ گورنمنٹ آف انڈیا، ۱۹۷۱ء (۴) ڈاکٹر شارب رودلوی، جدید اردو تنقید اصول ونظریات، ص ۱۳۱ اتر پردیش اردو اکادمی (۵) ڈاکٹر قدسیہ خاتون، سرسید کی ادبی خدمات اور ہندوستانی نشاۃ ثانیہ۔ ص ۱۷ (۶) ثریا حسین۔ سرسید اور ان کا عہد۔ ص ۳۹۷

☆☆

ڈاکٹر عبدالعلی ازہریؒ - ایک تعارف

مولانا اسعد اعظمی / جامعہ سلفیہ بنارس

چوتھی قسط

الدار السلفیۃ ممبئی میں: مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ نے اپنی حیات مستعار میں دین اور علم کی خدمت کے لیے متعدد تعلیمی، دعوتی اور تصنیفی ادارے قائم کیے تھے، جن میں ''الدار السلفیۃ'' ایک انتہائی اہم اور کثیر النفع ادارہ تھا۔ ۱۹۷۰ء میں اس کا قیام عروس البلاد ممبئی میں عمل میں آیا۔ اس کے کل تین شعبے تھے: (۱) شعبۂ بحث وتحقیق (۲) شعبۂ ترجمہ وتصنیف وتالیف (۳) شعبۂ صحافت۔ بانی ادارہ نے اپنے مجلّہ ''البلاغ'' میں اس ادارے کے اغراض ومقاصد درج ذیل الفاظ میں تحریر فرمائے ہیں:

۱۔ الدار السلفیۃ کا مقصد خالص اسلام کا تعارف قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں اس طرح پیش کرنا ہے جیسے خیر القرون میں سلف صالح، صحابہ وتابعین نے سمجھ کر پیش کیا تھا۔

۲۔ الدار السلفیۃ کا مشن ہے شرک وبدعات، اندھی تقلید اور شخصیت پرستی کی تاریک راہوں میں بھٹکتی دنیا کو توحید وسنت کی روشنی میں اسلام کے صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دینا۔

۳۔ الدار السلفیۃ کا بنیادی مقصد ہے من گھڑت روایات، منکر وموضوع احادیث، مذہبی فرقہ پرستی اور گروہی تعصب سے امت مسلمہ کو دور کرنے کی جدوجہد کرنا۔

۴۔ الدار السلفیۃ کا مقصد ہے سلف صالح کے علمی ورثے کی حفاظت کرنا اور دور جدید کے تقاضوں کے مطابق آج کے ترقی یافتہ اعلیٰ طباعتی معیار پر ان کی طباعت اور نشر واشاعت کرنا۔

۵۔ الدار السلفیۃ کا مقصد علوم اسلامیہ کے ماہرین علماء واصحاب قلم، ادباء ومصنفین کی مدد کرنا اور ان کے علمی وادبی ذوق کی تکمیل کرنا ہے۔

۶۔ دائرۃ البحوث العلمیۃ کے تحت علماء ومحققین کی ایک ٹیم تیار کرکے ان کے ذریعے علوم القرآن، تفسیر، حدیث، فقہ وتاریخ کے نادر مخطوطات کی تحقیق اور اہم کتابوں کی تالیف وتصحیح پیش کرنا ہے۔ الخ (مجلّہ البلاغ ممبئی: اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص: ۳۶)

الدار السّلفیہ سے اردو، عربی، ہندی اور انگریزی میں ڈھائی سو سے زیادہ کتابیں شائع ہوئیں، ان میں اردو (۲۰۰) عربی (۵۰) اور ہندی وانگریزی کی ایک ایک درجن کتابیں ہیں۔ عربی سے اردو میں ترجمہ ہونے والی کتابوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ''الدار السلفیۃ کی مطبوعات'' کے عنوان سے راقم کا مضمون مجلّہ البلاغ ومجلّہ صوت الحق کی خصوصی اشاعت ''مولانا مختار احمد ندوی: حیات وخدمات'' (اپریل-مئی ۲۰۱۰ء) میں شائع ہوا ہے۔ تفصیل کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

افسوس کہ بانی ادارہ کی رحلت کے بعد یہ مفید اور منفرد تحقیقی واشاعتی ادارہ بھی اپنا وجود کھو بیٹھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر عبدالعلی کی خدمت وعمل کا دوسرا مرکز یہی الدار السلفیۃ تھا جو حقیقت میں ان کی شخصیت، مزاج، رجحان اور صلاحیت سے من کل الوجوہ مناسبت رکھتا تھا۔

تحقیقی کام سے دل چسپی: ڈاکٹر صاحب کو بحث وتحقیق کے عمل سے کتنی دلچسپی تھی اس کا اندازہ آپ کی درج ذیل تحریر سے لگایا جا سکتا ہے:

''قاہرہ سے میں پھر نائیجیریا گیا جہاں احمد وبیلو یونیورسٹی میں لکچرار کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ مصر میں تعلیم کے دوران ہی مخطوطات سے دلچسپی پیدا ہوئی اور علمی تحقیق کا شوق بڑھا۔ قاہرہ میں امریکن یونیورسٹی میں عربی زبان وادب میں میرا ایم۔ اے کا رسالہ دوسری صدی ہجری کے ایک مدنی شاعر کے دیوان کی ترتیب پر مشتمل ہے، جو جامعہ سلفیہ بنارس سے کافی پہلے طبع ہو چکا ہے۔ نائیجیریا میں بھی مخطوطات سے دل چسپی باقی رہی اور ۱۹۷۹ء میں میں نے یونیورسٹی کے خرچ پر استنبول، دمشق اور قاہرہ کا دورہ کیا اور بہت سارے مخطوطات کی مائیکروفلم حاصل کی...''

(محدث بنارس: شیخ الحدیث نمبر، جنوری-فروری ۱۹۹۷: ص: ۱۴۲)

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی:

مذکورہ سفر میں جب آپ دمشق میں تھے تو کسی وجہ سے قاہرہ جانے والی تمام پروازیں منسوخ ہوگئی تھیں، ڈاکٹر صاحب نے فیصلہ کیا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دمشق کی مشہور لائبریری ''الظاہریہ'' میں وقت گزاریں گے، اسی لائبریری میں علامہ البانی رحمہ اللہ سے آپ کی ملاقات ہوئی جس کی تفصیل طویل ہے، اس میں ایک مقام پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ البانی اس وقت ''صحیح الترغیب'' کی پروف ریڈنگ کر رہے تھے، اس سلسلے میں وہ کسی اور پر اعتماد نہیں کرتے تھے، بلکہ خود ہی ہر صفحہ کی تصحیح کرتے تھے، یہی کام مصر کے شیخ المحققین علامہ محمود محمد شاکر بھی کرتے تھے، جن سے استفادہ کا شرف بھی مجھے حاصل ہے۔

میں نے علامہ البانی سے درخواست کی کہ کیا میں بھی ان کا ہاتھ بٹا سکتا ہوں؟ انھوں نے میری طرف چند صفحات بڑھا دیے جن کی وہ تصحیح کر چکے تھے۔ اتفاق سے ایک جگہ اعراب کی ایک غلطی پر ان کی نظر نہیں پڑی تھی، میں نے ان کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی، انھوں نے پہلے مجھے گھور کر دیکھا پھر پوچھا کہ مگر تم نے کیسے دیکھ لیا؟ تم نے تعلیم کہاں حاصل کی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جامعۃ الازہر میں، لیکن نحو

وصرف کی تعلیم میں نے اپنے آبائی وطن میں حاصل کی تھی اور اس مدرسہ میں جس میں علامہ عبید اللہ رحمانی نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی، فرمایا: تم تحقیقی کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ اس دن سے ان کا رویہ میرے ساتھ بالکل بدل گیا، پہلے وہ بالکل واجبی سا برتاؤ کرتے تھے لیکن اب بہت زیادہ مہربان ہوگئے۔" (ایضا، ص:۱۴۳)

نائیجیریا کو خیرباد کہہ کر الدار السلفیۃ سے ڈاکٹر صاحب کے منسلک ہونے کے دو بنیادی اسباب تھے۔ پہلا سبب جو زیادہ اہم ہے اور دوسرا سبب اسی سے متفرع ہے وہ یہ ہے کہ نائیجیریا کے سیاسی واقتصادی حالات دن بدن بگڑتے جارہے تھے جس کی وجہ سے وہاں کی زندگی دشوار ہوتی جارہی تھی اور بیرون ملک سے تعلق رکھنے والے رخت سفر باندھ رہے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے بھی چاروناچار ملک چھوڑنے کا فیصلہ لیا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے ایک عربی مضمون میں لکھتے ہیں:

"وبعد قضاء سنوات في مصر ساقتني الأقدار إلى نيجيريا لأقوم بعمل في التدريس في جامعة بايرو بكانو، وأودي واجبي فى التوجيه الديني والتوعية الإسلامية للشعب المسلم هناک، وكانت إقامتي في تلك البلاد موفقة، وحياتي سعيدة. ولكن الأيام دول، فتغيرت الأوضاع في البلاد، وتدهورت الحياة الاقتصادية والاجتماعية مما دفع كثيرا من العاملين فيها إلى الانتقال منها۔

وهناك تحركت في نفسي دواعي الرجوع إلى الوطن، فقد غبت عنه طويلا، وبدأت نفسي تحن إليه، وزادني شوقا إليه ما كان إخواني و بعض أقربائي يكتبون إلي، يلومونني على هجرة الوطن والركون إلى الغابة السوداء، فقررت تلبية رغبتهم واستجابة دعوتهم، وعزمت أن ألقي عصا التسيار بمجرد الرجوع إلى الوطن والاستقرار فيها.." (صوت الأمة: جولائی ۱۹۸۹ء،ص:۴۳-۴۴)

نائیجیریا چھوڑنے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مصر سے اور اسی طرح نائیجیریا سے وطن آتے جاتے آپ عروس البلاد ممبئی سے گذرتے تھے اور بسا اوقات دو چار روز وہاں قیام بھی کرتے، اس وقفے میں آپ کی مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ سے ملاقاتیں ہوتیں اور علمی مسائل پر ان سے تبادلہ خیال بھی ہوتا۔ ان دنوں الدار السلفیہ سے نشر واشاعت کا کام زوروں پر تھا اور نئے نئے منصوبے مولانا کے ذہن میں گردش کرتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالعلی جیسے میدان علم وتحقیق کے شہسوار کی موجودگی کو غنیمت جانتے ہوئے ان منصوبوں پر ان سے تبادلہ خیال کرتے اور ساتھ ہی ان سے تعاون کی درخواست کرتے۔

چنانچہ کتاب الامثال لأبي الشیخ اصبہانی جس کی ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کی اور الدار السلفیہ ممبئی سے شائع ہوئی اس کے "كلمة المحقق" میں آپ لکھتے ہیں:

ترجع فكرة البحث في أمثال الحديث إلى سنوات مضت، وكان صاحب الفكرة أخي الفاضل الشيخ مختار أحمد الندوي صاحب الدار السلفية ودار المعارف في بومباى، كنا جالسين في مكتبه نتجاذب أطراف الحديث، ودارت المناقشة حول الأمثال في الحديث النبوي. فاقترح الشيخ مختار أحمد أن نقوم بجمع الأحاديث التي تتضمن الأمثال، وافترقنا ولم يتمكن أي واحد منا من تنفيذ الفكرة.."

(كتاب الأمثال للأصبهاني، ص:۷، اس تحریر پر نومبر ۱۹۸۱ء کی تاریخ درج ہے جو ڈاکٹر صاحب کے نائیجیریا میں قیام کا زمانہ ہے۔)

مولانا مختار صاحب ڈاکٹر صاحب کو نائیجیریا کو خیر باد کہہ کر الدار السلفیہ کے شعبۂ بحث وتحقیق کی باگ ڈور سنبھالنے کی برابر دعوت دیتے رہتے تھے۔ اس دعوت کو مؤثر بنانے کے لیے مولانا نے آپ سے بڑے بڑے وعدے کیے، پرکشش مشاہرہ، بہترین رہائش اور ہر طرح کی سہولیات کی پیش کش کی۔ ان سب چیزوں میں ڈاکٹر صاحب کا مطمح نظر اصلا وہ علمی وتحقیقی کام تھا جس کی طرف آپ طبعی میلان رکھتے تھے اور جس سے آپ کو بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ لیکن مادی ترغیبات نے بھی اپنا کام کیا، نائیجیریا کے حالات بھی محرکات میں شامل رہے۔ آخر کار آپ نے سیاہ براعظم کو الوداع کہنے کا سخت فیصلہ کرلیا۔ ڈاکٹر صاحب کے متعلقین بھی پردیس کی زندگی پر آپ کو ٹوکتے رہتے تھے۔ البتہ آپ کے بہی خواہ احباب ورفقاء کو ممبئی کے مذکورہ ادارے سے وابستگی پر تحفظات تھے اور اس خطرے کو بھانپ رہے تھے جو چند سالوں میں ہی حقیقت بن کر سامنے آیا۔ اس تعلق سے ڈاکٹر صاحب کے احساسات ملاحظہ ہوں:

"... میرے پاس جو خطوط آرہے تھے ان میں طرح طرح کے عہد وپیمان ہوتے تھے، مجھے اب تک میسر ہونے والے وسائل زندگی سے کہیں زیادہ بہتر وسائل کی فراہمی کا وعدہ ہوتا جو میرے خواب وخیال میں بھی نہیں گذرے تھے، میں خیالی دنیا میں مگن تھا، ایک مدت تک اس عیش وآرام کی زندگی کے تصور سے سرشار رہتا۔ مجھے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ میں واقعی عیش وعشرت کی زندگی کی طرف قدم بڑھا رہا ہوں جس میں آرام دہ مکان، بہتر مشاہرہ اور باعزت کام ہوگا، میرا اور میرے بال بچوں کا مستقبل روشن ہوگا۔ وطن عزیز میں قیام کے مسئلے کو لے کر طرح طرح کے منصوبے بنا رہا تھا۔ میں اس تصور سے مسرت سے جھوم اٹھتا تھا کہ مجھے ہر طرح کے ضروری وسائل سے آراستہ بحث وتحقیق کا وسیع میدان ملنے والا ہے۔

میں اللہ پر بھروسہ کرکے وطن کے لیے عازم سفر ہوا، میں حسین خوابوں میں مستغرق رہتا تھا۔ ادھر میرے اکثر احباب ومتعارفین میرے فیصلے سے اتفاق نہیں رکھتے تھے، انھیں خطرے کی آہٹ محسوس ہورہی تھی۔ میں انھیں نظرانداز کرتا رہا، میں حد سے زیادہ مطمئن تھا۔ اللہ کی طرف سے یہی سب ہونا تھا..." (صوت الأمة: جولائی ۱۹۸۹ء،ص:۴۴)

الغرض ڈاکٹر صاحب نے نائیجیریا میں اپنی کشتیاں جلا کر الدار السلفیہ کی خدمت کے لیے ممبئی میں پڑاؤ ڈال دیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور انتھک محنتوں سے ادارہ کو فرش سے عرش تک پہونچایا۔ آپ کی موجودگی اور نگرانی نے شعبۂ بحث وتحقیق کے کارکنوں

میں بھی جوش بھر دیا۔ بحث وتحقیق اور ترجمہ وتالیف کا ایک نیا دور شروع ہوا اور دیکھتے دیکھتے الدار السّلفیہ مشہور تحقیقی اداروں کی صف اول میں کھڑا نظر آنے لگا۔

شعب الایمان للبیھقی جس کی تحقیق کا کام ڈاکٹر عبدالعلی نے شروع کیا تھا اور سات جلدوں تک شائع ہوچکی تھی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری نے اس کا تعارف کراتے ہوئے الدار السّلفیہ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے، اسی ضمن میں لکھا ہے کہ:

"..... وقد تولى منذ قريب الدكتور عبدالعلى عبدالحميد مسؤولية إدارة قسم البحث والتحقيق في الدار، فدخلت في مرحلة جديدة تبشر بالازدهار والنشاط المتزايد المستمر في مجال التحقيق والنشر. وقبل قريب كنا عرفنا في هذه الصفحات بأول كتاب أخرجته الدار كباكورة لهذه المرحلة الجديدة، أعني كتاب تفسير سورة الإخلاص لشيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله، وقد لقي هذا الكتاب المحقق تحقيقا علميا دقيقا القبول والترحيب من العلماء والطلاب وعامة القراء....."

(صوت الأمة، بنارس: أبريل ١٩٨٧ء ص: ؟)

تفسیر سورۃ الاخلاص لابن تیمیہؒ کی تحقیق کے تعارف میں ڈاکٹر ازہری نے لکھا تھا:

"..... ومنذ قريب تكشف نشاط هذه الدار وتحسن، وذلك بتسلم الدكتور عبدالعلى عبدالحميد إدارة قسم التحقيق والبحث العلمي في الدار من ناحية، وبتطوير أصحابها المطبعة وتزويدها بأحدث الآلات والماكينات من ناحية أخرى."

(صوت الأمة، بنارس: ديسمبر ١٩٨٦ء)

الدار السلفیۃ ممبئی کے شعبۂ بحث وتحقیق کا تعارف کراتے ہوئے اس شعبہ کے ایک سابق رفیق مولانا ضیاء الحسن سلفی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"....اس شعبۂ تحقیق کو منظّم انداز سے چلانے کے لیے محققین علماء کی ایک ٹیم کی ضرورت تھی، اس کے لیے آپ (مولانا مختار احمد ندوی) نے باقاعدہ منصوبہ بندی کی اور سب سے پہلے ڈاکٹر عبدالعلی ازہری حفظہ اللہ کو اس شعبہ کی ادارت کی اہم ذمہ داری سنبھالنے کی دعوت دی، اس وقت موصوف نائجیریا کی مشہور بائرو کانو یونیورسٹی میں قسم الدراسات العلیا میں پروفیسر تھے۔ مولانا موصوف ان کو مسلسل کئی سالوں سے اس اہم ذمہ داری کو سنبھالنے کی ترغیب دیتے رہے اور اس منصب جلیل پر فائز ہونے پر آمادہ کرتے رہے، بالآخر یہ ترغیب رنگ لائی اور نائجیریا کے بھی حالات کچھ ناموافق ہونے کے باعث ڈاکٹر صاحب نے وہاں سے ممبئی کے لیے رخت سفر باندھا اور بڑی تمناؤں کے ساتھ میدان تحقیق میں اترے اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوالیا اور عالم اسلام نے اس ماہر تحقیق کو داد وتحسین دی۔ اس شعبۂ تحقیق سے آپ کے منسلک ہونے سے اور منصب ادارت پر فائز ہونے سے الدار السلفیۃ کا علمی وقار بلند ہوا....." (مولانا مختار احمد ندوی: حیات وخدمات، ص:۳۴۱-۳۴۲)

الدار السلفیۃ سے آپ کی جو تحقیقات منظر عام پر آئیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔تفسیر سورۃ الإخلاص، تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، صفحات: ۲۸۵، طبع اول: ۱۴۰۶ھ، ناشر: الدار السلفیۃ ممبئی

۲۔تفسیر سورۃ النور، تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، صفحات: ۲۴۴، طبع اول: ۱۴۰۸ھ، ناشر: الدار السلفیۃ ممبئی

۳۔تفسیر سورۃ المعوذتين، تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، وعلامہ ابن القیمؒ، صفحات: ۱۹۸، طبع اول: ۱۹۸۷ء، ناشر: الدار السلفیۃ ممبئی

۴۔تفسیر الآیۃ الکریمۃ: (لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين) تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، صفحات: ۱۳۶، طبع اول: ۱۴۰۷ھ، ناشر: الدار السلفیۃ ممبئی

۵۔الجامع لشعب الإيمان، تالیف: الحافظ ابوبکر بن الحسین البیہقی، ۲۰/ جلدیں (اول ۷/ جلدیں ڈاکٹر صاحب کی تحقیق سے)، طبع اول: ۱۴۰۶ھ، ناشر: الدار السلفیۃ ممبئی

۶۔کتاب الأمثال في الحديث النبوي، تالیف: أبوالشیخ الأصفہانی، صفحات: ۵۳۲، طبع دوم: ۱۴۰۸ھ، ناشر: الدار السلفیۃ ممبئی

۷۔کتاب أمثال الحديث، تالیف: أبومحمد الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزي، صفحات: ۲۹۹، طبع اول: ۱۹۸۳ء، ناشر: الدار السلفیۃ ممبئی

۸۔کتاب الزهد، تالیف: حافظ ابوبکر أحمد بن عمر بن أبي عاصم، صفحات: ۱۵۰، ۱۹۸۳ء، ناشر: الدار السلفیۃ ممبئی

۹۔إنعام الباري في شرح حديث أبي ذر الغفاري
تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہ، صفحات: ۱۷۲، ۱۹۸۷ء، ناشر: الدار السلفیۃ ممبئی

الدار السلفیہ سے علیحدگی: ڈاکٹر صاحب ۱۹۸۴ء میں الدار السّلفیہ سے منسلک ہوئے اور ۱۹۸۸ء تک پورے چار سال ادارے کو اپنے خون جگر سے سینچا۔ اس سے پہلے اس امر کا تذکرہ ہوچکا ہے کہ آپ کو الدار السّلفیہ لانے کے لیے کئی طرح کی پرکشش آفر کی گئی تھیں اور ہر طرح کے مادی ومعنوی راحت وآرام کا سامان مہیا کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے بلاچوں وچرا پیش کش قبول کرلیا اور مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ لیکن لگتا ہے کہ طرف ثانی سے مثبت معاملہ نہیں کیا جاسکا۔ ڈاکٹر صاحب توڑ جوڑ کے آدمی نہیں تھے، اپنی ہی طرح دوسروں کو بھی صاف دل، صاف گو اور بے تکلف تصور کرتے تھے۔ لیکن آنے والے ایام نے باور کرایا کہ معاملہ ہمیشہ ایسا نہیں رہتا۔ طبائع اور مزاج میں یکسانیت ضروری نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے بہی خواہوں نے بہت پہلے سے جن تحفظات کا اظہار کیا تھا وہ بلاوجہ نہ تھے۔ لیکن تقدیر کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے۔ کڑوے گھونٹ بھی حلق سے اتارنے پڑتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو الدار السلفیۃ جوائن کرنے کے بعد بہت جلد غلطی کا احساس ہونے لگا تھا۔ تمام سنہرے خواب چکنا چور ہوتے دکھائی دینے لگے تھے، احباب کے اندیشے

حقیقت بن کر سامنے آرہے تھے۔ڈاکٹر صاحب ان الفاظ میں اپنا درد بیان کرتے ہیں:

''میں ہندوستان تو پہنچ گیا لیکن اول وہلہ سے مجھے احساس ہونے لگا کہ احباب کے اندیشے بلاوجہ نہ تھے، حسین خواب ایک ایک کرکے بکھرتے چلے گئے ،سب کچھ خیالی پلاؤ ثابت ہوا، میں اپنے آپ کو یکہ وتنہا محسوس کرنے لگا۔میں خود کو بے بس اور بے اختیار تصور کر کر کے ہلکان ہورہا تھا، لگ رہا تھا کہ میں ایک خالی خولی دائرے میں گھوم رہا ہوں، میرا دم گھٹنے لگا تھا۔آخر کار میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اس پنجرے سے اور گھٹن کے اس ماحول سے نکل ہی جانا چاہیے۔حالاں کہ اس سے قبل میں نے کبھی بذریعہ تحریر اور کبھی اشارے کنایے سے تو کبھی پوری صراحت سے اس امر کا اظہار کردیا تھا کہ مادی پوزیشن بحث وتحقیق اور علمی کام میں معاون نہیں رہی، لیکن حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ حقیقت حال کے اس اظہار کو انقلابی قدم اور کفران نعمت قرار دیا گیا۔تب مجھے یقین ہوگیا کہ احتجاج سے کچھ ہونے والا نہیں اور یہاں سے نکل لینا ہی آسان حل ہے، اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ایک بار پھر وطن کو خیر باد کہنے اور پردیسیت کی زندگی گزارنے کے تصور سے اذیت ہونے لگی۔لیکن میں نے قضائے الٰہی مان کر سر تسلیم خم کردیا کہ شاید اسی میں خیر ہو، کیوں کہ فرمان الٰہی ہے(عسى أن تكرهوا شيئا وهو خير لكم)''(صوت الأمۃ: جولائی ۱۹۸۹ء، ص:۴۵)

مولانا ضیاء الحسن صاحب سلفی جو الدار السلفیۃ میں علمی کاموں میں آپ کے دست راست تھے ان کی درج ذیل تحریر سے حالات کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

''....الدار السلفیۃ کا شعبۂ تحقیق پوری سرگرمی سے مصروف عمل تھا کہ اسی دوران مولانا نے اپنے صاحب زادے ....کو اس شعبہ کا نگراں بنادیا، یہیں سے حالات بگڑتے گئے اور نئے نگراں نے اپنی ناتجربہ کاری کی بنا پر معاملہ فہمی کا ثبوت نہ دیا اور مولانا نے بھی نگراں پر اندھا دھند اعتماد کیا اور ڈاکٹر (عبدالعلی) صاحب کو اعتماد میں نہ لے سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب یہاں سے اپنی زندگی کی کشتیٔ ارمان کو جلا کر جانے پر مجبور ہوگئے اور ساتویں جلد کے بعد یہ منصوبہ کشمکش کا شکار ہوگیا، ڈاکٹر صاحب کی عدم موجودگی الدار السلفیۃ کے لیے سوہان روح ثابت ہوئی.....'' (مولانا مختار احمد ندوی: حیات وخدمات، ص:۳۴۸)

شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے متعلق اپنے مضمون میں ڈاکٹر عبدالعلی مرحوم لکھتے ہیں:

''...شیخ الحدیث میرے ممبئی جانے سے خوش نہیں تھے۔جب میں نے ان کو بتایا تو کچھ دیر تک بالکل خاموش رہے، میں فوراً سمجھ گیا کہ مومن نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ فیصلہ غلط ہے، لیکن کوئی تنقید کرنے کے بجائے یہ فرمایا کہ اب ادارے سے ان شاء اللہ معقول کتابیں شائع ہوا کریں گی۔''(محدث بنارس: جنوری-فروری ۱۹۹۷ء، ص:۱۵)

مولانا صلاح الدین مقبول نے ڈاکٹر عبدالعلی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

''جب وہ ایک مختصر مدت کے لیے الدار السلفیۃ ممبئی سے وابستہ ہوگئے تھے اس وقت استاد گرامی ڈاکٹر (مقتدی) صاحب کو بڑی خوشی ہوئی تھی اور وہاں سے برطانیہ چلے جانے کا ان کو بہت غم تھا کہ بحث وتحقیق کے میدان میں ایک عبقری شخص کو روکا نہ جاسکا۔''(مجلّہ افکار عالیہ مئو، ازہری نمبر، ص:۶۳)

مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں:

''کوئی چار سال ''الدار السلفیۃ، ممبئی'' میں آپ کا قیام تھا، اس مختصر مدت میں کام اتنا زیادہ کیا کہ کس کی نظر کھا گئی معلوم نہیں، ادارے کو خیر باد کہنا پڑا اور مادر وطن مئو واپس ہوگئے۔نائیجیریا چھوڑنے کا غم بہت ستایا ہوگا۔نائیجیریا میں عزت، شہرت، دولت اور خدمت کے بہت میدان حاصل تھے۔پتا نہیں کیا سوچ کر ممبئی آئے ہوں گے۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا''(راہ اعتدال، عمرآباد: دسمبر ۲۰۲۱ء، ص:۴۳-۴۴)

ممبئی کی دیگر مصروفیات: علمی اور منصبی ذمہ داریوں کے علاوہ ممبئی میں ڈاکٹر صاحب کی اور کیا مصروفیات ہوتی تھیں اس سلسلے میں زیادہ معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔مولانا عبدالہادی عمری (برطانیہ) نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

''ڈاکٹر صاحب کی الدار السلفیۃ کی ملازمت کے دنوں ۱۹۸۷ء بمبئی میں میرا تقریباً ڈھائی ماہ قیام تھا، اس دوران رمضان آگیا۔بنگالی مسجد اہل حدیث میں ڈاکٹر صاحب کو تراویح پڑھانے پر آمادہ کرلیا گیا۔ڈاکٹر صاحب تراویح اور مولانا مختار احمد ندوی وتر پڑھاتے تھے۔نماز کے بعد تفسیر کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی، یوں یہ ایک یادگار رمضان ثابت ہوا.....اس رمضان ڈاکٹر صاحب کے پیچھے پورا قرآن سننے کا موقع ملا۔موصوف کی تلاوت کا خاص انداز تھا، جیسے کوئی معانی ومطالب کی گہرائی میں ڈوب کر پڑھ رہا ہو۔انھیں کچھ یاد ایسا تھا کہ تراویح میں بہت کم رکتے یا لقمہ لیا کرتے، حالاں کہ دن بھر حدیث کی تحقیق وتخریج کا تھکا دینے والا کام اپنی ٹیم کے ہمراہ کرتے اور رات تازہ دم تراویح کے لیے حاضر ہوجاتے۔''(صراط مستقیم، برمنگھم: نومبر ۲۰۲۱ء ص:۴)

ممبئی کے بعض رفقاء واحباب کا تذکرہ:

ڈاکٹر صاحب علمی دنیا کے آدمی تھے۔قلم اور اہل قلم ہی سے سروکار رکھتے تھے، اس میدان میں داخل ہونے والے انسان کو سیر وتفریح، دوست واحباب کے ساتھ نشستیں، تعلقات وسیع کرنے کی کوششیں اور اس قسم کے کاموں کے لیے نہ وقت ہوتا ہے نہ دل چسپی۔بقول شاعر:

ہمیں دنیا سے کیا مطلب، مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں میں، ورق ہوگا کفن اپنا
سیاحت کا جسے ہو شوق، پھرتا ہے وہ شہروں میں
کتب بینی ہے سیر اپنی ،کتابیں ہیں چمن اپنا... الخ

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی دھنباد آمد، محمدی مسجد، دھنباد کا سنگ بنیاد اور خطاب: دھنباد، ریاست جھارکھنڈ کا ایک اہم شہر ہے، جہاں معدنی ذخائر میں سے کوئلہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے، اور اسی لئے اسے کوئلے کے شہر سے شہرت حاصل ہے۔ دھنباد، ریاست کا ایک ضلع بھی ہے، اس ضلع میں جماعت اہل حدیث کے افراد بہت کم پائے جاتے ہیں، ضلع میں ایک آدھ بستی ہی اہل حدیث کی ہے، شہر میں بھی جماعت اہل حدیث کے افراد دوسری جماعتوں کے بالمقابل اقل قلیل ہیں۔ یہاں وہی لوگ اہل حدیث ہیں، جو دوسرے علاقوں سے جا کر وہاں کسب معاش کرتے ہیں، اور کچھ لوگ کسب معاش کرتے کرتے وہیں پر آباد ہو گئے ہیں یا بعد میں مسلک کتاب وسنت قبول کئے ہیں، جب صورت حال ایسی ہو، تو پھر وہاں کسی اہل حدیث مسجد کے وجود کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟

لیکن ادھر چند سالوں سے جماعت کے یہ منتشر افراد شیرازہ بند ہونے لگے، اور پہلے پہل گذشتہ رمضان المبارک میں الگ تراویح کا اہتمام شروع ہوا، پھر اپنی مسجد کے لئے کوشش شروع ہوئی، 12/نومبر 2016 کو مسجد کے لئے ایک زمین جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، دھنباد کے نام سے رجسٹری کرائی گئی، اس زمین کو خریدنے میں جماعت کے افراد نے خوب تعاون کیا، بالخصوص صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ کے ناظم شیخ عقیل اختر مکی/ حفظہ اللہ نے زمین حاصل ہونے کے بعد کمیٹی کے اراکین اور جماعت کے افراد نے یہ فیصلہ کیا کہ عارضی شیڈ ڈال کر نماز شروع کی جائے، مگر حاسدوں کی نظر لگ گئی، اور معاملہ عدالت تک پہنچ گیا، پورے پندرہ ماہ تک مقدمہ عدالت میں چلا، بالآخر 12/اپریل 2018 کو فیصلہ ٹرسٹ کے حق میں آیا۔ اس کے بعد فوری طور پر زمین کی چہار دیواری کی گئی اور شیڈ کھڑا کر دیا گیا، اور 16/اپریل 2018 کو مغرب کے وقت سے نماز پنج وقتہ اور پھر نماز جمعہ شروع ہو گئی۔

اسی کی پختہ تعمیر کے لئے 17/دسمبر 2021، جمعہ کو محترم امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی مدنی/ حفظہ اللہ وتولاہ کے ہاتھوں امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ فضیلۃ الشیخ قاری محمد یونس اثری/ حفظہ اللہ اور دیگر عمائدین واحباب جماعت کی موجودگی میں سنگ بنیاد رکھا گیا۔

امیر محترم، استاذ گرامی قدر فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی مدنی اس سے قبل بھی دھنباد آ چکے تھے، مگر جب آپ کو سنگ بنیاد رکھنے کی اطلاع اور دعوت دی گئی تو تمام دیگر کاموں اور مشغولیات پر یہاں آنے کو ترجیح دی، نیز دور دراز علاقوں اور قریب کے شہروں اور علاقوں سے بھی بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور پروگرام کو کامیاب بنایا، لگ بھگ دو ہزار کی تعداد میں لوگ جمع ہوئے اور امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی امامت میں نماز جمعہ ادا کی اور آپ کا شاندار خطبہ جمعہ سنا۔

نماز جمعہ کے بعد مسجد محمدی کا سنگ بنیاد امیر محترم/ حفظہ اللہ وتولاہ کے ہاتھوں سے رکھا گیا، اور اس کے بعد مسجد کا چندہ کیا گیا، الحمد للہ لوگوں نے دل کھول کر تعاون دیا۔ پھر مسجد کمیٹی کی طرف سے تمام مہمانوں اور مصلیان کی ضیافت کی گئی۔

نماز عصر کے بعد ایک چھوٹا سا پروگرام مسجد کے گراؤنڈ میں ہی منعقد ہوا، پھر امیر محترم، استاذ مکرم شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی مدنی/ حفظہ اللہ نے حاضرین کو خطاب فرمایا، جس میں جمعیت وجماعت کے گوناگوں مسائل پر روشنی ڈالی۔

امیر محترم کی واپسی کی گاڑی 8/ بجے رات کو تھی، اس لئے لوگ ساڑھے دس بجے دن سے رات اسٹیشن چھوڑنے تک آپ سے ملتے رہے اور جمعیت وجماعت اور ملک وملت کے مسائل وامور آپ کے پاس رکھتے رہے اور گفت وشنید ہوتی رہی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد مسجد کو پائے تکمیل تک پہنچائے اور سنگ بنیاد کے اس موقع پر حاضر ہونے والے اور تعاون کرنے والے تمام حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے، آمین!!

جماعت کے باخبر حضرات کو معلوم ہے کہ دھنباد کا یہ پروجیکٹ کافی بڑا پروجیکٹ ہے۔ اس لیے اہل خیر ومحسنین حضرات سے اپیل ہے کہ اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

Bank Name: State Bank of India

Name:Jamiat Ahle Hadis Trust Dhanbad

A/CNo.35066086574

IFSC:SBIN0009008

جزاکم اللہ خیرا کثیرا (آپ کی دعاؤں کا طلبگار: محمد جسیم اختر، صدر دھنباد موبائل نمبر 9939355084)

شیخ حافظ محمد الیاس عبد القادر صاحب امام مسجد ابن باز کا ریاض میں سانحہ ارتحال:

یہ خبر نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ حدیث کی مشہور کتاب سنن دارمی کے مترجم، فقیہ عصر علامہ ابن باز کے شاگرد رشید، مسجد ابن باز ریاض کے امام معروف عالم دین شیخ حافظ محمد الیاس بن عبد القادر صاحب کا آج مورخہ 10/فروری 2022ء کو ہندوستانی وقت کے مطابق تقریباً ڈھائی بجے شب کنگ سلمان ہاسپیٹل ریاض میں بعمر تقریباً 65 سال انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ حافظ محمد الیاس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ بڑے خلیق وملنسار تھے اور زندگی بھر درس وتدریس اور دعوت واصلاح کے کاز سے جڑے رہے۔ آپ باڑی، دھولپور، راجستھان کے ایک متمول اور دینی علمی خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ سلفیہ شکراوہ، میوات، ہریانہ میں ہوئی، جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس سے فراغت کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طبیہ

کالج میں داخلہ لیا،لیکن اسی دوران جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلے کی منظوری آ گئی اور پھر وہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی دیار مقدسہ کے ہوکر رہ گئے۔طویل مدت تک آپ ولی عصر علامہ ابن باز رحمہ اللہ کی صحبت کیمیا اثر میں رہے اور یہ سلسلہ فیض روحانی علامہ کی وفات تک جاری رہا۔آپ علامہ کے دروس میں مقررہ کتب کی خواندگی ایک خاص لہجہ وانداز میں کرتے تھے۔تادم واپسیں علامہ کی مسجد کے امام رہے۔اس دوران ترجمہ وتالیف کا بھی سلسلہ جاری رہا۔سنن دارمی کا ترجمہ جسے مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند نے 29/ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے موقع پر اہتمام سے شائع کیا تھا کے علاوہ بھی آپ کی علمی کاوشیں ہیں۔ان میں سے بھی بعض کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے شائع کیا ہے۔آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے کاز سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔اور کانفرنسوں میں شرکت فرماتے تھے۔وفد کی ضیافت بھی ضرور کرتے تھے۔ان کے صاحب زادگان بھی اس سلسلے میں اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر ہیں۔وہ میرے ساتھ خصوصا بے حد احترام اور اپنائیت کا معاملہ کرتے ہیں۔ان کا انتقال جمعیت وجماعت کا بڑا خسارہ ہے۔پسماندگان میں اہلیہ محترمہ،پانچ صاحب زادے خالد،حامد،راشد،عبد الماجد،مساعد سلمھم اللہ،چار صاحب زادیاں،دو بھائی محمد اقبال صاحب اور اعجاز احمد سلمہ اور بھرا پورا خاندان ہے۔

اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت فرمائے،بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، دینی وعلمی خدمات کو شرف قبولیت بخشے،جنت الفردوس کا مکین بنائے اور جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین (غمزدہ دعا گو:اصغر علی امام مہدی سلفی،امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

(بقیہ صفحہ ۱۸ کا)

صاحب ثروت ہونا اللہ تعالی کی نعمت ہے اور صدقہ وخیرات کرنا یا طاعت بندگی کی راہ میں مال کا معاون ومددگار ثابت ہونا اتمام نعمت اور شکر گزاری کی ایک قسم ہے۔اسی لیے نبی کریم ﷺ نے نیک آدمی کے مال کو سب سے بہتر مال بتایا ہے، کیونکہ وہ حلال کمائی کے ساتھ صحیح جگہوں پر خرچ بھی کرتا ہے۔فرمایا:"نعم المال الصالح للمرء الصالح" [صحیح الادب المفرد،للالبانی برقم:۲۲۹] ترجمہ:"نیک شخص کے لیے پاکیزہ مال کتنا اچھا ہے"۔موجودہ دور میں سعودی عرب حکومت اور اس کے عوام کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔اس وقت دنیا میں بے شمار حکومتیں قائم ہیں،اسلامی سلطنتوں کی بھی تعداد پچاس سے زائد ہے۔لیکن عالمی سطح پر ان میں سے کار خیر کی توفیق بہت کم کو نصیب ہے۔عالمی سروے کے مطابق سعودی عرب دنیا کا وہ پہلا ملک ہے جو رفاہی کاموں میں اپنا سرمایہ سب سے زیادہ خرچ کرتا ہے۔سعودی عرب کا اس خرچ کے پیچھے صرف ایک ہی مقصد کارفرما ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں اللہ کے بندوں پر جتنا خرچ کیا جائے اللہ اس کا بدلہ کہیں زیادہ دیتا ہے۔اس وقت سعودی عرب کے خزانے کا دہانہ پوری دنیا کے مفلوکین بالخصوص مسلمان غرباء ومساکین کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔شام،لبنان،مصر،افغانستان،افریقی ممالک،اور یمن ایسے درجنوں ممالک ہیں جو اس وقت سعودی عرب کے تعاون کے زندہ مثال ہیں۔

مذکورہ احادیث کے پیش نظر ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ فقراء ومساکین اور رشتہ داروں کے لیے مختص کرے تاکہ اس کا نفع دنیا وآخرت میں ملتا رہے اور یہ بات بھی واضح رہے کہ تندرستی کی حالت میں صدقہ کرنا افضل ہے مرض الموت میں وصیت کرنے سے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا:جب تو تندرستی کی حالت میں مال کی خواہش محتاجی کے خوف،مال داری کا طمع ہونے کے باوجود صدقہ کرے اور اتنی دیر مت کر کہ جان حلق میں آ پہنچے اس وقت تو کہے کہ فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا دیا جائے اب تو یہ فلاں فلاں (وارثوں) کا ہو ہی چکا ہے[بخاری،کتاب الزکاۃ]۔

اللہ تعالی ہم سب کو صدقہ وخیرات کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی بخیلی اور اسراف سے بچائے۔

(بقیہ صفحہ ۲۸ کا)

ڈاکٹر صاحب کا ممبئی میں جن معدودے چند افراد سے تعلق تھا ان میں سرفہرست جناب عبدالقیوم کوڈیا،معروف بہ"لکڑاوالے" تھے۔ڈاکٹر صاحب کے بڑے گرویدہ تھے۔آپ بڑے ہی مخلص،علم دوست،علماء نواز اور فراخ دل انسان تھے۔دین کی ہمہ جہت خدمت اور علم کے فروغ کے لیے کوشاں رہتے تھے۔نومبر ۲۰۱۶ء میں داغ مفارقت دے گئے۔ڈاکٹر صاحب نے اپنی مختلف تحریروں میں ان سے تعلقات کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے۔ان تحریروں سے ایک دو اقتباسات نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔"ایک مخلص دیرینہ:عبدالقیوم کوڈیا" کے عنوان سے اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"عبدالقیوم بھائی سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں نائیجیریا کی ملازمت سے مستعفی ہوکر ممبئی کام کرنے کی غرض سے مقیم ہوا،اس وقت دو آدمیوں نے میرے ساتھ نہایت ہی ہمدردانہ اور مشفقانہ سلوک کیا،وہ تھے امین بھائی بجو علی اور عبدالقیوم لکڑاوالے..."(افکار عالیہ مئو:اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۶ء، ص:۴۳)

"...جس وقت میں ممبئی پہنچا ان کا کاروبار عروج پر تھا،وہ وقتاً فوقتاً الدار السلفیۃ میں میرے کمرے میں آجاتے اور سلام ودعا ہوجاتی،انھوں نے میرے کرایے کے مکان میں فرنیچر کا بھی انتظام کرایا،پھر جب مجھے ممبئی چھوڑنا پڑا تو بہت سارا سامان میں نے انھیں کے حوالے کیا۔" (ایضاً ص:۴۴)

"میں انھیں کبھی بھول نہیں سکتا،ان کے بڑے احسانات میرے اوپر ہیں،ہر مشکل اور آڑے وقت میں انھوں نے میری دل جوئی کی اور میرا ساتھ دیا،ہمارے تعلقات کسی مادی بنیاد یا مفاد پر استوار نہیں تھے،یہ خلوص اور محبت صرف اللہ کے لیے تھی،نہ میں نے ان سے مالی مدد مانگی اور نہ ہی انھوں نے کبھی پیش کش کی۔ایک بار انھوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ اللہ کا فضل ہے....." (ایضاً ص:۴۸)

(جاری)

گاؤں محلّہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجیے
اور مکاتب میں تجوید وتعلیم قرآن کریم کا اہتمام کیجئے!

حضرات! قرآن کریم بنونوع انسان وجنان کے نام اللہ رب العالمین کا آخری پیغام ہے۔ جو نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، جو ہدایت کا سرچشمہ، عبرت وموعظت کا ذریعہ اور دین وشریعت اور توحید ورسالت کا اولین مرجع ومصدر ہے، جس کا حرف حرف علم وعرفان اور حکمت وموعظمت کے موتیوں سے لبریز ہے، جس کی تعلیم وتعلم اور تلاوت باعث ثواب اور جس پر عمل فوز وفلاح اور سعادت دارین کا سبب اور ضمانت ہے اور قوموں کی عزت وذلت اور عروج وزوال اسی سے مربوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اول یوم سے اس کی تلاوت وقرأت اور اس پر عمل کا خصوصی اہتمام کیا، حفظ وتجوید وتفسیر قرآن کے مکاتب ومدارس قائم کئے اور سوسائٹی میں اس کی تعلیم واتباع کو خصوصیت کے ساتھ رواج دیا۔ نتیجتاً وہ اس اہتمام بالقرآن کی برکت سے ہر میدان میں اوج کمال تک پہنچے۔ لیکن بعد کے ادوار میں یہ روشن روایت دن بدن کمزور پڑتی گئی۔ خود برصغیر میں تعلیم وتفسیر قرآن کریم تو کجا تجوید وقرأت کا عرصہ تک کما حقہ اور مضبوط انتظام نہ ہوسکا اور نہ اس پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی۔ حالانکہ تعلیم وتعلم قرآن میں علم تاویل وتفسیر اور غور وفکر کے ساتھ ساتھ تجوید بھی مقصود تھا اور ہمارے نبی کریم محمد ﷺ نے اس کی بڑی تاکید بھی فرمائی تھی۔

مقام شکر ہے کہ چند دہائی قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سمیت مختلف جہات سے تعلیمی بیداری مہم کے نتیجے میں مدارس وجامعات اور مکاتب ومساجد میں تجوید قرآن کریم کا مبارک سلسلہ شروع ہوا تھا جس کے ملکی سطح پر بہترین ثمرات سامنے آئے۔ پورے ملک میں مکاتب بڑے پیمانے پر قائم ہوئے اور بہت سی بستیوں میں مکتب کی تعلیم کے زیر اثر بچوں کی ذہنی طور پر نشو ونما ہونے لگی۔ لیکن روز بروز بدلتے حالات کے پیش نظر عصری تعلیم گاہوں اور کنونٹس اور گاؤں میں مدارس کی وجہ سے مکاتب بہت متاثر ہوئے۔ لہٰذا مکاتب کو بڑے اور عمدہ پیمانے پر پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل کو دین کی بنیادی باتوں اور قرآن کریم سے روشناس کرایا جاسکے۔

لہٰذا آپ حضرات سے دردمندانہ گزارش ہے کہ اس حوالے سے خصوصی توجہ مبذول کریں اور اپنے گاؤں اور محلوں میں صباحی ومسائی مکاتب کے قیام کو یقینی بنائیں، اگر قائم ہیں تو ان کی سرگرمی وفعالیت میں بہتری لائیں، قدیم نظام کا احیاء کریں، ان میں تجوید وتعلیم قرآن کا خصوصی اہتمام کریں تاکہ جماعت وملت کے نونہالوں کو دین واخلاق سے آراستہ کرسکیں اور انھیں دین وعقیدہ پر قائم رکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک ہوکر دین حنیف، جماعت وجمعیت اور ملک وملت کی مخلصانہ خدمت انجام دینے کی توفیق بخشے، ہر طرح کے فتنے اور آزمائش سے محفوظ رکھے اور عالمی مہلک وبا کورونا وغیرہ سے سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اپیل کنندگان

اصغر علی امام مہدی سلفی

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ودیگر ذمہ داران

اہل حدیث منزل کی تعمیر و تکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے: (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدرپور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال و اولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292